مختصر حالات صاحب تہذیب (متن)

تہذیب منطق کا مشہور متن ہے، جس کے مصنف علامہ تفتازانی ہیں، ان کا نام مسعود، لقب سعدالدین، والد کا نام عمر اور لقب فخر الدین ہے، دادا کا نام عبداللہ اور لقب برہان الدین ہے، مشہور قول کے مطابق علامہ تفتازانی ماہ صفر ۷۲۲ھ کو تفتازان میں پیدا ہوئے جو خراسان کا ایک شہر ہے۔ بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ علامہ تفتازانی ابتداء میں بہت کند ذہن تھے لیکن مطالعہ اور جدوجہد میں بہت آگے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک غیر متعارف شخص مجھ سے کہہ رہا ہے سعدالدین! چلو تفریح کر کے آئیں، میں نے کہا میں تفریح کے لیے نہیں پیدا کیا گیا، میں انتہائی مطالعہ کے باوجود کتاب نہیں سمجھ پاتا، تفریح کرونگا تو کیا حشر ہوگا۔ وہ یہ سن کر چلا گیا اور کچھ دیر بعد آیا، اسی طرح تین مرتبہ آمد ورفت کے بعد اس نے کہا کہ حضور ﷺ یاد فرمارہے ہیں، میں گھبرا کر اٹھا اور ننگے پاؤں چل پڑا، شہر سے باہر ایک جگہ کچھ درخت تھے وہاں پہنچ کر دیکھا تو آں حضرت ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف فرما ہیں، مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے تبسم آمیز لہجہ میں فرمایا میں نے تمہیں بار بار بلایا اور تم نہیں آئے، میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے علم نہ تھا کہ آپ یاد فرمارہے ہیں، اس کے بعد میں نے اپنی غباوت کی شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا اپنا منہ کھولو، میں نے منہ کھول دیا تو آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈال دیا، اور دعاء کے بعد فرمایا کہ جاؤ، بیداری کے بعد جب یہ اپنے استاذ عضدالدین کی مجلس میں حاضر ہوئے اور درس شروع ہوا تو اثناء درس آپ نے کئی اشکالات پیش کیے جن کے متعلق ساتھیوں نے خیال کیا کہ یہ سب بے معنی ہیں مگر استاذ تاڑ گئے اور کہا اے سعد! آج تم وہ نہیں ہو جو اس سے پہلے تھے۔ تصنیف وتالیف کا ذوق ابتداء ہی سے پیدا ہو چکا تھا، تقریبا ہر فن میں آپ نے کتابیں تصنیف کیں، چنانچہ شرح تصریف زنجانی آپ کی اس وقت کی تصنیف ہے جب آپ کی عمر صرف سولہ برس تھی، علامہ تفتازانی کی تصانیف میں سے چند کتب مثلا تہذیب فی المنطق، مختصر المعانی، تلویح علی التوضیح، شرح عقائد شامل نصاب ہیں، اور عرصہ دراز سے مدارس میں پڑھائی جارہی ہیں، آپ کی وفات ۲۲ محرم الحرام ۷۹۲ھ کو پیر کے روز سمرقند میں ہوئی۔ اور آپ کو وہیں دفن کیا گیا اس کے بعد ۹ جمادی الاولی بدھ کے روز مقام سرخس کی طرف منتقل کر دئے گئے۔

مختصر حالات صاحب شرح تہذیب

صاحب شرح تہذیب کا نام عبداللہ، والد کا نام حسین اور نسبت یزدی ہے۔ اپنے وقت کے زبردست محقق، علامہ روزگار، عظیم الہیئت اور نہایت خوبصورت تھے، ۱۰۱۵ھ کو شہر اصبہان میں انتقال ہوا، اور اپنی یادگار شرح القواعد، شرح العجالہ، حاشیہ شرح مختصر برحاشیہ خطائی، اور شرح تہذیب وغیرہ چھوڑیں۔

بسم الله الرحمان الرحيم

متن:الحمدُلِلهِ الذی هَدَانَا سواءَ الطريقِ وجَعلَ لَناالتوفيقَ خيرَ رفيقٍ
تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ہدایت دی سیدھے راستے کی اور بنایا ہمارے لیے توفیق کو بہترین ساتھی۔

قولُه الحمدُللهِ اَفتَحَ كتابَه بحمدِ اللهِ بعدَالتسميةِ اتِّباعًا بخيرِ الكلامِ واقتداءً بحديثِ خيرِالانامِ وعلى آلِه الصلوةُ والسلامُ فان قُلتَ حديثُ الابتداءِ مَرْوِيٌ فى كلٍ من التسميةِ والتحميدِ فكيفَ التوفيقُ قلتُ الابتداءُ فى حديثِ التسميةِ محمولٌ على الحقيقي وفى حديثِ التحميدِ على الاضافيِّ اوعلى العرفيِّ اوفى كِليهما على العرفيِّ

ترجمہ :. ماتن کا قول الحمدللہ الخ ،مصنف نے افتتاح کیا اپنی کتاب کا الحمدللہ کے ساتھ تسمیہ کے بعد بہترین کلام کی اتباع کرتے ہوئے اور مخلوقات میں سے بہترین کی حدیث کی اقتداء کرتے ہوئے ،آپ ﷺ کی آل پر رحمت کاملہ اور سلامتی ہو، پس اگر تو کہے کہ ابتداء والی حدیث مروی ہے تسمیہ اور تحمید میں سے ہر ایک کے بارے میں تو کیسے تطبیق ہوگی؟ تو میں کہوں گا کہ حدیث تسمیہ میں ابتداء محمول ہے ابتداء حقیقی پر اور حدیث تحمید میں (محمول ہے)ابتداء اضافی پر یا ابتداء عرفی پر یا دونوں میں محمول ہے ابتداء عرفی پر۔

تشریح: افتح كتابه الخ :. یہاں سے ایک سوال کا جواب ہے، سوال کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے اپنی کتاب کی ابتداء تسمیہ اور تحمید سے کیوں کی؟ اس کا جواب دیا کہ مصنف نے تسمیہ اور تحمید سے اپنی کتاب کی ابتداء کی دو وجہوں سے، پہلی وجہ یہ ہے کہ تا کہ قرآن کی اتباع ہو جائے کیوں کہ قرآن کریم کی ابتداء بھی تسمیہ اور تحمید کے ساتھ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تا کہ حدیث کی اقتداء ہو جائے کیوں کہ ایک حدیث میں ہے ہر وہ ذی شان کام جو بغیر تسمیہ کے کیا جائے وہ ناقص ہے، اور دوسری حدیث میں اسی طرح کا مضمون تحمید کے بارے میں ہے۔

فان قلت :. یہاں سے ایک سوال کو نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں، سوال کی تقریر یہ ہے کہ ابتداء والی حدیث تسمیہ کے بارے میں بھی ہے اور تحمید کے بارے میں بھی، تو اگر ایک حدیث پر عمل کرتے ہیں تو دوسری حدیث پر عمل متروک ہو جاتا ہے کیوں کہ ابتداء یا تو تسمیہ سے ہوگی یا تحمید سے، پس ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کیسے ہوگی؟ تو شارح نے اس کا جواب دیا جس کو سمجھنے سے پہلے ایک بات جاننی چاہیے کہ ابتداء کی تین قسمیں ہیں، ابتداء حقیقی، ابتداء اضافی اور ابتداء عرفی۔ ابتداء حقیقی یہ ہے کہ شئی ہر چیز سے مقدم ہو اور ابتداء اضافی یہ ہے کہ شئی بعض سے مقدم ہو اور ابتداء عرفی یہ ہے کہ شئی مقصود سے مقدم ہو۔ اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس اعتراض کے تین جواب ہیں پہلا جواب یہ ہے کہ تسمیہ والی حدیث ابتداء حقیقی پر

محمول ہے اورتحمید والی حدیث ابتداء اضافی پرمحمول ہے، یعنی تسمیہ تو ہر چیز پر مقدم ہونی چاہیے اور تحمید بعض پر مقدم ہونی چاہیے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تسمیہ والی حدیث ابتداء حقیقی پرمحمول ہے اور تحمید والی حدیث ابتداء عرفی پر محمول ہے یعنی تسمیہ ہر چیز پر مقدم ہونی چاہیے اور تحمید مقصود پر مقدم ہونی چاہیے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ تسمیہ والی حدیث اور تحمید والی حدیث دونوں ابتداء عرفی پر محمول ہیں یعنی تسمیہ اور تحمید دونوں مقصود پر مقدم ہونے چاہییں۔

وَالحمدُ هو الثناءُ باللسانِ علی الجمیلِ الاختیاریّ نعمةً کان او غیرَها واللهُ عَلَمٌ علی الاصحّ للذاتِ الواجبِ الوجودِ المُستَجْمِعِ لِجمیعِ صفاتِ الکمالِ ولِدلالتِه علی هذا الاستجماعِ صَارَ الکلامُ فی قوةِ ان یُقَالَ الحمدُ مطلقًا منحَصِرٌ فی حقِّ من هو مُستَجْمِعٌ لِجمیعِ صِفَاتِ الکمالِ من حیثُ هوَ کذالِکَ فکانَ کَدَعوَی الشئیِ ببینةٍ وبرهانٍ ولایَخفٰی لُطفُه

ترجمہ : اور حمد وہ زبان کے ساتھ تعریف کرنا ہے اختیاری خوبی پر خواہ نعمت ہو یا اس کا غیر اور اللہ علم ہے اصح قول کے مطابق اس ذات کا جو واجب الوجود ہے جو جامع ہے تمام صفات کمال کو اور بوجہ اس کے اس جامع ہونے پر دلالت کرنے کے، یہ کلام ہوگیا ہے اس بات کی قوت میں کہ یوں کہا جائے حمد مطلقا منحصر ہے اس ذات کے حق میں جو جامع ہے تمام صفات کمال کے لیے اس حیثیت کہ وہ اس طرح ہے پس یہ ہو جائیگا مثل شئی کا دعوی کرنے کے اپنی دلیل اور برہان کے ساتھ، اور مخفی نہیں اس کی خوبی۔

﴿تشریح﴾ والحمد الخ:۔ یہاں سے حمد کی تعریف کرتے ہیں، حمد کا معنی ہے اختیاری خوبی پر زبان سے کسی کی تعریف کرنا خواہ مقابلے میں اس نے احسان کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ سوال ہوتا ہے کہ حمد کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لیے کہ یہ استہزاء اور سخر یہ پر صادق آتی ہے مثلا کوئی سخی نہ ہو اور اس کا مذاق اڑانے کے لیے کہا کہ تو بڑا سخی ہے، تو یہ بھی زبان کے ساتھ اس کی تعریف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ثناء سے مراد ثناء علی قصد التعظیم ہے۔ مطلب یہ کہ حمد میں تعظیم بھی ہونی چاہیے، اب تعریف استہزاء اور سخر یہ پر صادق نہیں آئے گی اس لیے کہ اس میں تعظیم نہیں ہوتی۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ ثناء کے مفہوم میں لسان داخل ہے، کیونکہ ثناء ہوتی ہی زبان سے ہے تو الثناء کے بعد باللسان کا ذکر بے فائدہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ثناء کو لسان کے معنی سے خالی کر دیا گیا ہے یعنی ثناء سے مراد صرف تعریف ہے اب لسان کا ذکر بے فائدہ نہ ہوا۔

الجمیل الاختیاری کی قید احترازی ہے اس سے مدح سے احتراز ہوگیا اس لیے کہ مدح میں غیر اختیاری خوبی پر تعریف ہوتی ہے اور **نعمة کان اوغیرها** کی قید بھی احترازی ہے اس سے شکر سے احتراز ہوگیا اس لیے کہ شکر میں تعریف احسان اور نعمت کے مقابلے ہوتی ہے۔

والله علم الخ :۔ یہاں سے لفظ اللہ کی تحقیق کرتے ہیں کہ لفظ اللہ علم ہے اس ذات کا جو واجب الوجود ہے (اس کا

وجود ضروری ہے)اور وہ جامع ہے تمام صفات کمال کو، علی الاصح کہہ کر بعض پر رد کر دیا ہے بعض کہتے ہیں کہ لفظ اللہ علم نہیں بلکہ صفت ہے۔

ولدلالتہ الخ :. یہاں سے الحمد للہ والی عبارت میں ایک خوبی بیان کرتے ہیں کہ الحمد للہ دعوی مع الدلیل پر مشتمل ہے۔ وہ اس طرح کہ دعوی یہ ہے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہونی چاہیں جو تمام صفات کمال کو جامع ہو اور اللہ تعالی ہی تمام صفات کے جامع ہیں تو تمام تعریفیں بھی اللہ کے لیے ہوئیں۔ اور یہی دلیل خود الحمد للہ میں موجود ہے، کیونکہ اللہ کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ وہ ذات تمام صفات کی جامع ہے۔

الهداية ُقيلَ هِيَ الدلالةُ المُوصِلَةُ اى الايصالُ الى المطلوبِ وقيلَ هى اِرَاءَ ةُ الطريقِ المُوصِلِ الى المطلوبِ والفرقُ بينَ هذينِ المعنيينِ اَنّ الاولَ يَستَلزِمُ الوصولَ الى المطلوبِ بخلافِ الثانِى فَاِنَّ الدلالةَ على مايُوصِلُ الى المطلوبِ لاتَلزَمُ ان تَكُونَ مُوصِلَةً الى مايوصِلُ فكيف تُوصِلُ الى المطلوبِ

ترجمہ : ہدایت، بعض نے کہا کہ یہ دلالت ہے جو پہنچانے والی ہو یعنی مطلوب تک پہنچا دینا اور بعض نے کہا وہ راستہ دکھانا ہے جو مطلوب تک پہنچانے والا ہو اور ان دونوں معنوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلا معنی مستلزم ہے مطلوب تک پہنچنے کو بخلاف دوسرے معنی کے اس لیے کہ ایسی چیز کی طرف رہنمائی جو مطلوب تک پہنچا دے، لازم نہیں کہ وہ پہنچانے والی ہو اس جگہ کی طرف جو پہنچا دے پس کیسے پہنچائے گی وہ مطلوب تک۔

﴿تشریح﴾ الھدایۃ الخ :. یہاں سے شارح ہدایت کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہدایت کے دو معنی ہیں، معتزلہ کے نزدیک ہدایت کا معنی ہے الدلالۃ الموصلہ یعنی مطلوب تک پہنچا دینا، اور اشاعرہ کے نزدیک ہدایت کا معنی ہے وہ راستہ دکھانا جو مطلوب تک پہنچا دے۔

والفرق الخ :. یہاں سے ان دو معنوں کے درمیان فرق بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں معنوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے معنی کے اعتبار سے مطلوب تک پہنچنا لازم ہے جبکہ دوسرے معنی کے اعتبار سے لازم نہیں اس لیے کہ دوسرے معنی کے لحاظ سے تو اس راستے تک پہنچنا بھی لازم نہیں جو مطلوب تک پہنچانے والا ہو چہ جائیکہ وہ مطلوب تک پہنچا دے۔

وَالاوَّلُ منقوضٌ بقولِه تعالى واماثمودُ فهدَيناهم فاستَحَبُّوا العمٰى على الهدى اذ لايُتَصَوَّرُ الضَلَالةُ بعد الوصولِ الى الحقّ والثانِى منقوضٌ بقولِه تعالى اِنَّكَ لاتَهْدِى من احبَبْتَ فانَّ النبيّ عليه السلام كَانَ شانُه ارائةَ الطريقِ والذى يُفهمُ من كلامِ المصنفِ فى حاشيةِ الكشَّافِ هو انَّ الهدايةَ لفظٌ مشتَرَكٌ بينَ هذينِ المعنيين وح يَظْهَرُ اندِفَا عُ كِلَا النقضينِ ويَرتفعُ الخلافُ مِنَ البين ومحصولُ كلامِ المصنفِ فى

تلکَ الحاشیۃِ اَنَّ الھدایۃَ تَتَعَدّی الی المفعولِ الثانی تارۃً بنفسِہ نحو اِھْدِنَا الصراطَ المستقیمَ وتارۃً بالیٰ نحوُ واللہُ یَھْدِی من یشاءُ الی صراطٍ مستقیمٍ وتارۃً باللامِ نحو اِنَّ ھذا القرآنَ یَھْدِی لِلَّتِی ھی اقوَمُ فمعنَاھا علی الاستعمالِ الاوَّلِ ھو الایصالُ وعلی الثانیینِ اراءۃُ الطریقِ

ترجمہ : اور پہلا معنی منقوض ہے اللہ تعالی کے اس قول واما ثمود الخ کے ساتھ اس لیے کہ گمراہی متصور نہیں ہے حق تک پہنچنے کے بعد، اور دوسرا معنی منقوض ہے اللہ تعالی کے اس قول انک لاتہدی الخ کے ساتھ اس لیے کہ نبی ﷺ کی شان راستہ دکھانا تھی ،اور وہ بات جو سمجھ میں آتی ہے مصنف کی کلام سے جو کشاف کے حاشیہ میں ہے وہ یہ ہے کہ ہدایت لفظ مشترک ہے ان دونوں معنوں کے درمیان اور اس وقت ظاہر ہو جائے گا دونوں نقضوں کا جواب اور اٹھ جائیگا اختلاف درمیان سے۔اور اس حاشیہ میں مصنف کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ ہدایت کبھی مفعول ثانی کی طرف بلا واسطہ متعدی ہوتی ہے جیسے اہدنا الصراط المستقیم ،اور کبھی الی کے ساتھ جیسے واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم اور لام کے ساتھ جیسے ان ہذا القرآن یہدی للتی ہی اقوم پس اس ہدایت کا معنی پہلے استعمال کے مطابق وہ ایصال ہوگا اور دوسرے دو استعمالوں کے لحاظ سے اراءۃ الطریق ہوگا۔

﴿تشریح﴾ والاول منقوض الخ :. یہاں سے ہدایت کے ان دونوں معنوں پر اعتراض ذکر کرتے ہیں، کہ یہ دونوں معنی منقوض ہیں، پہلا معنی منقوض ہے اللہ تعالی کے اس قول واما ثمود فہدینہم فاستحبوا العمی علی الہدی کے ساتھ ،اس لیے کہ پہلے معنی کے اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قوم ثمود کو ہم نے حق تک پہنچادیا لیکن انہوں نے گمراہی کو پسند کیا۔حالانکہ حق تک پہنچنے کے بعد گمراہی متصور نہیں۔اور دوسرا معنی منقوض ہے اللہ تعالی کے اس قول انک لاتہدی من احببت کے ساتھ ،اس لیے کہ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنے پسندیدہ لوگوں کو راہ حق نہیں دکھا سکتے ،اور یہ ٹھیک نہیں اس لیے کہ آپ ﷺ کی بعثت ہی راہ حق دکھلانے کے لیے تھی۔تو شارح نے اس کا جواب دیا کہ لفظ ہدایت ان دونوں معنوں کے درمیان مشترک ہے، واما ثمود الخ میں ہدایت کا دوسرا معنی مراد ہے،مطلب یہ ہے کہ قوم ثمود کو ہم نے حق کی راہ دکھلائی لیکن انہوں نے گمراہی کو پسند کیا اور دوسری آیت میں ہدایت کا پہلا معنی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اے نبی آپ اپنے پسندیدہ لوگوں کو حق تک نہیں پہنچا سکتے۔

ومحصول الخ :. یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ اس بات پر کیا قرینہ ہے کہ واما ثمود الخ میں ہدایت کا دوسرا معنی مراد ہے اور انک لاتھدی میں ہدایت کا پہلا معنی مراد ہے؟ اس کا جواب دیا کہ ہدایت مفعول ثانی کی طرف دو طرح سے متعدی ہوتا ہے، بلا واسطہ اور بالواسطہ، بلا واسطہ جیسے اہدنا الصراط المستقیم ،اور بالواسطہ جیسے واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم ،اس میں الی کے واسطے سے متعدی ہے اور ان ہذا القرآن یہدی للتی ہی اقوم اس میں لام کے ساتھ متعدی ہے۔اگر ہدایت مفعول ثانی کی طرف بلا واسطہ متعدی ہو تو اس سے مراد پہلا معنی ہوتا ہے یعنی ایصال الی المطلوب اور اگر واسطے کے ساتھ متعدی ہو تو دوسرا معنی

مراد ہوتا ہے یعنی اراءۃ الطریق۔ واما ثمود فہدینا ہم الخ میں ہدایت واسطے کے ساتھ متعدی ہے اصل میں ہے فہدینا ہم الی الحق، اس لیے یہاں اراءۃ الطریق والا معنی ہوگا اور انک لاتھدی الخ میں ہدایت بلا واسطہ متعدی ہے اس لیے وہاں پہلا معنی مراد ہوگا یعنی ایصال الی المطلوب۔

سواء الطریق الخ :. ای وسطُهُ الذی یُفضی سالکَهُ الی المطلوبِ البتةَ وهذا کنایةٌ عن الطریقِ المستَوِیُ اذ هما متلازِمَانِ وهذ امُرَادُ مَنْ فَسَّرَ ہ بالطریقِ المستَوِیُ والصراطِ المستقیمِ ثُمَّ المرادُ به اِماّ نفسُ اُلامرِعموماً اوخصوصُ ملةِ الاسلامِ والاوَّلُ اَولیٰ لِحصولِ البراعةِ الظاهرةِ بالقیاسِ الی قِسْمَیِ الکتابِ

ترجمه :. سواء الطریق یعنی وہ درمیانہ راستہ جو اپنے چلنے والے کو ہر حال میں مطلوب تک پہنچادے۔ اور یہ کنایہ ہے طریق مستوی سے اس لیے کہ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں، اور یہی مراد ہے اس شخص کی جس نے اس کی تفسیر کی طریق مستوی اور صراط مستقیم کے ساتھ۔ پھر اس سے مراد یا تو نفس الامر عموما ہے یا خاص کر ملۃ اسلام اور پہلا احتمال راجح ہے بوجہ براعۃ ظاہرہ کے حاصل ہونے کے کتاب کی دو قسموں کے لحاظ سے۔

﴿تشریح﴾ ای وسطه الخ :. یہاں سے سواء الطریق کا معنی بیان کیا کہ سواء الطریق کا معنی ہے وہ درمیانی راستہ جو اپنے چلنے والے کو ہر حال میں مطلوب تک پہنچادے۔

وهذا کنایة الخ :. یہ ایک فائدہ بیان کرتے ہیں کہ سواء الطریق کنایہ ہے طریق مستوی (سیدھا راستہ) سے، اس لیے کہ سواء الطریق اور طریق مستوی دونوں لازم ملزوم ہیں، جو سیدھا راستہ ہوگا وہ درمیانی راستہ ہوگا اور جو درمیانی راستہ ہوگا وہ سیدھا بھی ہوگا۔

وهذا مرادالخ :. یہاں سے ایک سوال کا جواب ہے جو محقق دوانی پر وارد ہوتا ہے، اعتراض یہ ہے کہ محقق دوانی نے سواء الطریق کی تفسیر کی طریق مستقیم اور طریق مستوی کے ساتھ، اور یہ درست نہیں اس لیے کہ اس میں تکلفات ہیں، (۱) سواء کو استواء کے معنی میں کیا (۲) استواء کو مستوی کے معنی میں کیا (۳) سواء الطریق کو از قبیل اضافۃ الصفت الی الموصوف بنایا۔ تو شارح نے اس کا جواب دیا کہ محقق دوانی کی مراد بھی یہی ہے کہ سواء الطریق کنایہ ہے طریق مستوی سے، ان کا یہ مطلب نہیں کہ طریق مستوی سواء الطریق کی تفسیر اور معنی ہے۔

ثم المراد به الخ :. یہاں سے سواء الطریق کا مصداق بیان کرتے ہیں، کہ اس کے مصداق میں دو قول ہیں (۱) ہر طریق حق (۲) خاص کر ملت اسلام، والاول اولی سے شارح پہلے احتمال کو راجح قرار دے رہے ہیں جس کو سمجھنے سے پہلے دو باتیں سمجھنا چاہییں (۱) براعت کا معنی ہے خطبے میں ایسے الفاظ ذکر کرنا جن سے کتاب کے مقاصد کی طرف اشارہ ملتا ہو (۲)

اس کتاب کے دو حصے تھے ایک حصہ عقائد اسلامیہ پر مشتمل تھا اور ایک حصے میں مسائل منطقیہ تھے، بعد میں عقائد اسلامیہ والا حصہ حذف ہو گیا اور صرف مسائل منطقیہ رہ گئے اب پہلے احتمال کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر سواء الطریق سے ہر طریق حق مراد لیا جائے تو کتاب کے دونوں حصوں کی طرف اشارہ ہو جائیگا۔ جبکہ اگر دوسرا احتمال (خاص کر ملت اسلام) مراد لیا جائے تو صرف کتاب کے ایک حصے یعنی عقائد اسلامیہ کی طرف اشارہ ہوگا دوسرے حصے مسائل منطقیہ کی طرف اشارہ نہ ہوگا۔

قولہ وجَعَلَ لنا الظرفُ اِماّ مُتَعَلّقٌ بجَعَلَ واللامُ لِلانتِفَاعِ کماقیل فی قولِہ تعالی وجَعَلَ لکم الارضَ فِرَاشًا واِماّ برفیقٍ ویکونُ تقدیمُ معمولِ المضافِ الیہ علی المضافِ لِکونِہ ظرفاً والظرفُ ممایُتَوَسَّعُ فیہ مالایُتَوَسَّعُ فی غیرِہ والاوَّلُ اقْرَبُ لفظًا والثانِی معنیً

ترجمہ : وجعل لنا، ظرف یہ متعلق ہے جعل کے اور لام انتفاع کے لیے جیسا کہ کہا گیا اللہ تعالی کے اس قول وجعل لکم الارض فراشا میں اور یا متعلق ہے رفیق کے اور مضاف الیہ کے معمول کی تقدیم مضاف پر ہوگی بوجہ اس کے ظرف ہونے کے اور ظرف میں وہ گنجائش ہوتی ہے جو گنجائش غیر ظرف میں نہیں ہوتی اور پہلا احتمال زیادہ قریب ہے لفظ کے لحاظ کے سے اور دوسرا معنی کے لحاظ سے۔

﴿تشریح﴾ الظرف متعلق الخ :. یہاں سے لنا کی ترکیب بیان کرتے ہیں کہ اس کی ترکیب میں دو احتمال ہیں (۱) لنا جعل کے متعلق ہے معنی یہ ہے کہ اللہ نے توفیق کو ہمارے لیے بہترین رفیق بنایا (۲) لنا رفیق کے متعلق ہے معنی یہ ہے کہ اللہ نے توفیق کو ہمارا خیر رفیق بنایا۔ والام للا نتفاع سے ایک سوال کا جواب ہے کہ لنا کو جعل کے متعلق کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ لام تعلیل کے لیے ہے تو اس سے اللہ تعالی کے افعال کا معلل بالاغراض ہونا لازم آتا ہے جو کہ درست نہیں۔ اس کا جواب دیا کہ لام تعلیل کے لیے نہیں بلکہ انتفاع کے لیے ہے جیسے الذی جعل لکم الارض فراشا میں لام انتفاع کے لئے ہے، معنی ہے اللہ نے ہمارے فائدے کے لیے توفیق کو خیر رفیق بنایا۔ ویکون تقدیم الخ سے ایک سوال کا جواب ہے کہ لنا کو رفیق کے متعلق کرنا بھی صحیح نہیں اس لیے کہ خیر مضاف ہے، رفیق مضاف الیہ ہے اور لنا اس صورت میں رفیق کا معمول ہوگا، تو لازم آئیگا مضاف الیہ کے معمول کا مضاف پر مقدم ہونا، اور یہ جائز نہیں، اس کا جواب دیا کہ لنا اگرچہ رفیق کا معمول ہے لیکن یہ ظرف بھی ہے اور ظرف میں وہ گنجائش ہوتی ہے جو غیر ظرف میں نہیں ہوتی، لہذا اس صورت میں مضاف الیہ کے معمول کا مضاف پر مقدم ہونا جائز ہوگا۔

والاول الخ :. یہاں سے ان دونوں احتمالوں کے درمیان محاکمہ کرتے ہیں، کہ پہلا احتمال لفظوں کے لحاظ سے اقرب ہے اور دوسرا احتمال معنی کے لحاظ سے اقرب ہے، پہلا احتمال لفظا اسلیے اقرب ہے کہ لنا اور جعل ایک دوسرے کے قریب اور متصل ہیں، اور دوسرا احتمال معنی کے لحاظ سے اقرب اس لیے ہے کہ دوسرے احتمال کے مطابق معنی ہوگا اللہ نے توفیق کو ہمارا

خیر رفیق بنایا، اور پہلے احتمال کے مطابق معنی ہوگا کہ اللہ نے ہمارے لیے توفیق کو خیر رفیق بنایا، ظاہر ہے یہ معنی بہتر ہے کہ اللہ نے توفیق کو ہمارا خیر رفیق بنایا۔

متن :. والصلوةُ والسلامُ علی مَنْ ارْسَلَه هدیً هو بالاهتداءِ حقیقٌ ونوراًبه الاقتداءُ یَلِیْقُ وعلی آلِهٖ واصحابِهٖ الذین سَعِدوا فی مَنَاهِجِ الصدقِ بالتصدیقِ وَصعِدُوا فی معارِجِ الحقِّ بالتحقیقِ

ترجمہ : اور رحمت کاملہ اور سلامتی ہو اس ذات پر جس کو اللہ تعالی نے بھیجا ہدایت بنا کر جو کہ ہدایت یافتہ ہونے کے حقدار ہیں اور بھیجا ان کو نور بنا کر کہ جن اقتداء لائق ہے اور آپ کی آل اور آپ کے صحابہ پر جو کہ کامیاب ہوئے صدق کے راستوں میں تصدیق کے ساتھ اور وہ چڑھے حق کی سیڑھیوں پر تحقیق کے ساتھ

قولُه والصلوةُ وهی بمعنَی الدعاءِ ای طَلَبِ الرحمَةِ واذا اُسنِدَ الی اللّٰهِ تعالی یُرادُ به الرحمةُ مجازاً اقولُه علی مَنْ ارْسَلَه لم یُصَرِّح باسمِه علیه السلام تعظیمًا واجلالًا وتنبیهًا علی انه فیما ذُکِرَ من الوصفِ بمرتبةٍ لایتبادَرُ الذهنُ منه الا الیه واخْتَارَ مِنْ بینِ الصفاتِ هذه لِکونِها مستَلْزِمةً لِسائرِ الصفاتِ الکمالیةِ مع مافیه مِنَ التصریحِ بکونِه مُرسَلًا فان الرسالةَ فوقَ النبوةِ فانَّ الْمُرسَلَ هو النبیُّ الذی اُرْسِلَ الیه وحیٌ وکتابٌ

ترجمہ : مصنف کا قول والصلوۃ اور وہ دعا یعنی طلب رحمۃ کے معنی میں ہے اور جب یہ منسوب ہو اللہ تعالی کی طرف تو مراد اس سے رحمت ہوتی ہے مجازاً۔ مصنف کا قول علی من ارسلہ، تصریح نہیں کی مصنف نے آپ ﷺ کے نام کی تعظیم اور بزرگی بیان کرنے کے لیے اور اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ آپ ﷺ مذکورہ وصف میں ایسے مرتبہ پر ہیں کہ ذہن اس سے سبقت نہیں کرتا مگر آپ ﷺ کی طرف، اور اختیار کیا صفات میں سے اسی وصف کو بوجہ اس کے مستلزم ہونے کے تمام صفات کمالیہ کو بمع اس چیز کے جو اس میں ہے یعنی آپ ﷺ کے مرسل ہونے کی تصریح کرنا اس لیے کہ رسالت نبوت سے فائق ہے اس لیے کہ مرسل وہ نبی ہوتا ہے جس کی طرف بھیج گئی ہو وحی اور کتاب

﴿تشریح﴾ وهی بمعنی الدعاء الخ :. صلوۃ کا معنی بیان کیا کہ اس کا معنی ہے دعا یعنی طلب رحمت ہے۔

واذااسند الخ :. یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ صلوۃ کا معنی طلب رحمت کرنا درست نہیں اس لیے کہ صلوۃ کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہوتی ہے کہا جاتا ہے صلوات اللہ، اور اللہ تعالی طلب رحمت سے پاک ہیں اس کا جواب دیا کہ جب صلوۃ کی نسبت اللہ تعالی کی طرف ہو تو اس کو طلب والے معنی سے خالی کر دیا جاتا ہے اور اس سے مجازاً رحمت مراد ہوتی ہے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ رحمت کی نسبت بھی اللہ کی طرف کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ رحمت کا معنی ہے رقت قلب اور اللہ تعالی رقت

قلب اور قلب سے پاک ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے حق میں رحمت سے مراد فقط تفضّل اور احسان ہوتا ہے،اس وقت رحمت سے مراد رقت قلب نہیں ہوتی۔

لـم یـصـرح الـخ :. یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ مصنف نے آپ ﷺ کے نام کو صراحۃ ذکر کیوں نہ کیا؟ اس کا جواب دیا کہ آپ ﷺ کے نام کو صراحۃ ذکر نہ کیا دو وجھوں سے (۱) تعظیم کی خاطر (۲) اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ آپ ﷺ وصف رسالت کے ایسے مرتبہ پر ہیں کہ اس وصف سے ذہن آپ ﷺ کی طرف ہی منتقل ہوتا ہے کسی اور طرف ذہن نہیں جاتا۔

واختـار الـخ :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ نبی ﷺ کی اور بھی صفات ہیں، وصف رسالت کو ہی کیوں اختیار کیا؟ اس کا جواب دیا کہ وصف رسالت کو اختیار کیا دو وجھوں سے (۱) وصف رسالت تمام صفات کمالیہ کو مستلزم ہے، (۲) اس کو اختیار کیا تا کہ آپ ﷺ کے مرسل ہونے کی تصریح ہو جائے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ وصف رسالت کو ذکر کیا نبوت کو کیوں ذکر نہیں کیا؟ تو فان الرسالۃ سے اس کا جواب دیا کہ رسالت نبوت سے فائق ہے اس لیے کہ رسول وہ نبی ہوتا ہے جس کو نئی شریعت نئی کتاب دی گئی ہو جبکہ نبی عام ہوتا ہے خواہ اس کو نئی شریعت اور نئی کتاب دی گئی ہو یا نہیں۔

قـولُـه هُدَیً اِمّا مفعُولٌ لَه لقولِه ارسَلَه وح یُرادُ بالهُدی هدایةُ الله حتی یکونَ فعلًا لِفاعلِ الفعلِ المعلَّلِ به اوحـالٌ عـن الـفاعلِ اوعن المفعولِ وح فالمصدرُ بمعنٰی اسمِ الفاعلِ اویقالُ اُطلِق علی ذِی الحالِ مبالغةً نحوزیدٌ عدلٌ

تـرجـمـه : مصنف کا قول ہدی یا مفعول لہ ہے مصنف کے قول ارسلہ کا اور اس وقت ہدی سے مراد ہدایت اللہ ہو گی تا کہ ہو جائے یہ فعل فعل معلل بہ کے فاعل کا یا حال ہے فاعل سے یا مفعول سے اور اس وقت پس مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہو گا یا کہا جائے کہ اس کا حمل کیا گیا ذی الحال پر مبالغہ کے طریق پر جیسے زید عدل۔

﴿تشـریح﴾ امـامـفـعول الخ :۔ یہاں سے ہدی کی ترکیب بیان کرتے ہیں کہ ہدی کی ترکیب میں تین احتمال ہیں (۱) یہ مفعول لہ ہے ارسلہ کا (۲) یہ حال ہے ارسلہ کی ضمیر فاعل سے (۳) یہ حال ہے ارسلہ کی ضمیر مفعول سے

وح یـرادالخ :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ ہدی کو ارسلہ کا مفعول لہ بنانا درست نہیں اس لیے کہ مفعول لہ سے لام کو حذف کرنے کی شرط یہ ہے کہ مفعول لہ اور اس کے فعل معلل بہ کا فاعل ایک ہو جبکہ یہاں پر فاعل ایک نہیں اس لیے فعل (ارسل) کا فاعل اللہ تعالی ہے جبکہ ہدی کا فاعل حضور ﷺ ہیں، اس کا جواب دیا کہ جس طرح ارسلہ کا فاعل اللہ تعالی ہیں اس طرح ہدی کا فاعل بھی اللہ تعالی ہیں اس لیے کہ ہدایت سے مراد ہدایۃ اللہ ہے۔

و ح فالمصدر الخ :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ ہدی کو ارسلہ کی ضمیر فاعل یا ضمیر مفعول سے حال بنانا ٹھیک نہیں اس لیے کہ حال کا ذوالحال پر حمل ہوتا ہے اور یہاں حمل صحیح نہیں اس لیے کہ ضمیر فاعل اور ضمیر مفعول ذات ہیں اور ہدی مصدر ہے جو وصف پر دلالت کرتا ہے اور وصف کا حمل ذات پر ٹھیک نہیں ہوتا اس کے دو جواب دیئے ۔(۱) ہدی مصدر اسم فاعل ہاد کے معنی میں ہے، اور ہاد ذات مع الوصف پر دلالت کرتا ہے اور ذات مع الوصف کا حمل ذات پر جائز ہے ۔(۲) ہدی اپنے معنی میں ہے یعنی مصدری معنی، اور اس کا حمل ذوالحال پر مبالغہ کے لیے ہے، جیسے زید عدل ۔ اس میں عدل کا حمل زید پر مبالغۃً ہے کہ زید اتنا زیادہ عدل کرنے والا ہے گویا مجسمہ عدل ہے ۔

قوله بالاهتداء مصدرٌ مبنيٌ للمفعولِ اى بِاَن يُهتَدى به والجملةُ صفةٌ لقولِه هدىً اويكونانِ حالَينِ مُتَرَادِفَينِ اويكونانِ حالينِ مُتَدَاخِلينِ ويحتَمِلُ الاستيناف وقِسْ على هذا قولَه نوراًمَعَ الجملةِ التاليةِ

ترجمه : مصنف کا قول بالاہتداء، یہ مصدر ہے جس کی بناء کی گئی ہے مفعول کے لیے یعنی بایں طور کہ اس کے ذریعہ ہدایت حاصل کی جائے اور یہ جملہ صفت ہے مصنف کے قول ہدی کی یا یہ دونوں حال مترادف ہیں یا دونوں حال متداخل ہیں اور یہ احتمال رکھتا ہے استیناف کا اور اسی پر قیاس کرلو مصنف کے قول نورا کو آگے آنے والے جملے کے ساتھ ۔

﴿تشریح﴾ مصدر الخ :. یہاں سے اہتداء کی تحقیق کرتے ہیں کہ اہتداء مصدر ہے جو اسم مفعول کے معنی میں ہے، اس پر سوال ہوتا ہے کہ اہتداء لازم ہے اور لازم سے مجہول آتا ہے نہ اسم مفعول، تو پھر کیسے کہا کہ مفعول کے معنی میں ہے؟ ای بان ہتدی بہ سے اس کا جواب دیا کہ جب لازم کو باء کے ساتھ متعدی کر دیا جائے تو اس کا مفعول اور مجہول آجاتا ہے، یہاں بھی اس کو باء کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے یعنی بان یہتدی بہ کے معنی میں ہے ۔

والجملة صفة الخ :. یہاں سے ہو بالاہتداء حقیق کی ترکیب بیان کرتے ہیں کہ اس کی ترکیب میں چار احتمال ہیں (۱) یہ جملہ ہدی کی صفت ہے (۲) ہدی اور یہ جملہ دونوں حال مترادف ہیں یعنی یہ دونوں حال ہیں ارسلہ کی ضمیر فاعل یا ضمیر مفعول سے (۳) یہ دونوں حال متداخل ہیں یعنی ہدی حال ہے ارسلہ کی ضمیر فاعل یا ضمیر مفعول سے اور یہ جملہ حال ہے ہدی کی ضمیر سے (۴) یہ جملہ مستانفہ ہے (مستقل الگ جملہ ہے) اور جملہ مستانفہ سوال کا جواب ہوتا ہے، یہ بھی سوال کا جواب ہے، وہ اس طرح کہ جب مصنف نے کہا ارسلہ ہدی کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو ہدی بنا کر بھیجا تو سائل نے سوال کیا لم ارسلہ ہدی؟ آپ ﷺ کو ہدی بنا کر کیوں بھیجا، تو اس کا جواب دیا ہو بالاہتداء حقیق، کہ آپ ﷺ کو ہدی بنا کر اس لیے بھیجا کہ آپ ﷺ ہی اس لائق ہیں کہ آپ کے ذریعہ ہدایت حاصل کی جائے ۔

وقس على هذا الخ :. یہ نورا الخ کی ترکیب ہے کہ نورا بہ الاقتداء یلیق کی ترکیب میں بھی یہی چار احتمال ہیں ۔

(۱) ہدی کی صفت ہے (۲) دونوں (ہدی اور نورا الخ) حال مترادف ہیں (۳) دونوں حال متداخل ہیں (۴) نورا الخ جملہ مستانفہ ہے۔ وہ اس طرح کہ جب مصنف نے کہا نوراً یعنی ارسلہ نوراً تو سائل نے سوال کیا لم ارسلہ نوراً؟ کہ آپ ﷺ کو نور بنا کر کیوں بھیجا؟ اس کا جواب دیا کہ بہ الاقتداء یلیق، آپ ﷺ کی اقتداء ہی لائق ہے۔

قولُه به متعلقٌ بالاقتداءِ لا بيليقُ فان اقتداءَ نا به عليه السلام انما يَلِيْقُ بنا لابه فانه كمالٌ لنا لاله و ح تقديمُ الظرفِ لِقصدِ الحصرِ والاشارةِ الى ان ملتَه ناسخةٌ لِمللِ سائرِ الانبياءِ واماالاقتداءُ بالائمةِ فيقالُ اِنه اقتداءٌ به حقيقةً اويقالُ الحصرُ اضافيٌ بالنسبةِ الى سائرِ الانبياءِ عليهم السلام قولُه وعلى آلِه اصلُه اهلٌ بدليلِ اُهَيلً خُصّ استعمالُه فى الاشرافِ وآلُ النبيِ عترتُه المعصومون قوله واصحابِه هم المومنون الذين ادركُو صحبةَ النبى عليه السلام مع الايمانِ قوله فى مناهج جمعُ منهجِ وهو الطريقُ الواضحُ

ترجمہ : مصنف کا قول بہ متعلق ہے الاقتداء کے نہ کہ یلیق کے اس لیے کہ ہمارا آپ ﷺ کی اقتداء کرنا جزیں نیست کہ ہمارے لائق ہے نہ آپ ﷺ کے، اس لیے کہ یہ ہمارا کمال ہے نہ کہ آپ ﷺ کا۔ اور اس وقت ظرف کی تقدیم حصر کے ارادہ کے لیے ہوگی اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ آپ ﷺ کی ملت باقی تمام انبیاء کے ملتوں کو منسوخ کرنے والی ہے۔ اور بہرحال ائمہ کی اقتداء کرنا پس کہا جائے گا کہ یہ بھی آپ ﷺ کی اقتداء کرنا ہے حقیقۃً یا کہا جائے کہ حصر اضافی ہے باقی انبیاء کے لحاظ سے، مصنف کا قول آلہ، اس کی اصل اہل ہے اہیل کی دلیل کے ساتھ، اس کا استعمال خاص ہوگیا ہے اشراف میں اور نبی کی آل آپ کا معصوم خاندان ہے مصنف کا قول واصحابہ، اصحاب وہ مومنین ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کی صحبت پائی ایمان کے ساتھ مصنف کا قول مناہج، جمع ہے منہج کی اور وہ واضح راستہ ہے۔

﴿تشریح﴾ بہ متعلق الخ : یہاں سے بہ کی ترکیب بیان کرتے ہیں کہ بہ کے متعلق میں دو احتمال ہیں (۱) یہ متعلق ہے الاقتداء کے (۲) یہ متعلق ہے یلیق کے۔ شارح کہتے ہیں کہ یہ الاقتداء کے متعلق ہے نہ کہ یلیق کے۔ اس لیے کہ اگر اس کو الاقتداء کے متعلق کریں تو معنی ہوگا آپ ﷺ کی اقتداء کرنا ہمارے لائق ہے، جبکہ اگر اس کو یلیق کے متعلق کریں تو معنی ہوگا ہمارا آپ ﷺ کی اقتداء کرنا آپ ﷺ کے لائق ہے، ظاہر ہے یہ معنی درست ہے کہ آپ ﷺ کی اقتداء کرنا ہمارے لائق ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کی اقتداء کرنا ہمارا کمال ہے نہ کہ آپ ﷺ کا کمال (یعنی ہم اپنا کمال حاصل کرنے میں محتاج ہیں کہ آپ ﷺ کی اقتداء کریں، آپ ﷺ اپنے کمال کے لیے ہمارے محتاج نہیں)

و ح تقدیم الظرف الخ : یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ بہ معمول ہے اور الاقتداء عامل ہے، عامل معمول پر مقدم ہوتا ہے تو یہاں معمول (بہ) کو عامل پر مقدم کیوں کیا؟ اس کے دو جواب دیئے، پہلا جواب یہ ہے کہ معمول کو مقدم کیا تا کہ حصر

کا فائدہ حاصل ہوجائے کہ آپ ﷺ کی اقتداء ہی ہمارے لائق ہے نہ کہ کسی اور کی اقتداء۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہوجائے کہ آپ ﷺ کی ملت تمام دیگر انبیاء کی ملتوں کومنسوخ کرنے والی ہے۔

واما الاقتداء الخ :. یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ یہ کہنا کیسے درست ہے کہ آپ ﷺ کی اقتداء ہی لائق ہے جبکہ ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کی بھی اقتداء کی جاتی ہے؟ اس کا جواب دیا جس کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ حصر کی دو قسمیں ہیں حصر حقیقی اور حصر اضافی، حصر حقیقی یہ ہے کہ تمام چیزوں کے لحاظ سے حصر ہو اور حصر اضافی یہ ہے کہ بعض کے لحاظ سے حصر ہو۔ شارح نے اس سوال کے دو جواب دیئے پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں حصر حقیقی ہے کہ صرف آپ ﷺ کی اقتداء ہی لائق ہے اور ائمہ اربعہ کی اقتداء بھی درحقیقت آپ ﷺ کی اقتداء ہے کیونکہ ائمہ اربعہ صرف واسطہ ہیں۔

قولہ و آلہ الخ :. آل کی تحقیق کرتے ہیں کہ آل اصل میں اہل تھا، ہاء کو ہمزہ کے ساتھ تبدیل کیا تو اءل ہوا، پھر دوسرے ہمزہ کو بقاعدہ آمن الف کے ساتھ تبدیل کیا تو آل ہوگیا۔ اس بات پر دلیل کہ اس کی اصل اہل تھی، یہ ہے کہ اس کی تصغیر اھیل آتی ہے، اور تصغیر سے اسم کی اصلی حالت معلوم ہوجاتی ہے۔ خص استعمالہ سے اس کا استعمال بیان کرتے ہیں کہ آل کا استعمال اشراف (عزت دار) لوگوں پر ہوتا ہے خواہ وہ شراف دینی ہو جیسے آل موسی یا دنیوی جیسے آل فرعون۔ اور آل النبی سے آل کا مصداق بیان کیا کہ اس کا مصداق آپ ﷺ کا خاندان ہے، ایک قول کے مطابق ازواج مطہرات اور ایک قول کے مطابق ساری امت آل ہے۔ المعصومون اس لیے کہا کہ شارح اہل تشیع سے تعلق رکھتے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کا خاندان معصوم ہے یعنی ہر صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے پاک ہے۔ واصحابہ سے سے اصحاب کی تعریف کی اصحاب صاحب کی جمع ہے اصحاب وہ مومنین ہیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ کی صحبت پائی اور ایمان کی حالت میں ان کی وفات ہوئی۔

قولُہ الصدقُ الخبرُ والاعتقادُ اذا طابَقَ الواقعَ کان الواقعُ ایضاً مطابِقاً له فان المفاعلةَ من الطرفینِ فھو من حیثُ انه مطابِق لِلواقِعِ بالکسرِ یُسمّٰی صدقًا ومن حیثُ انَّه مطابَقٌ له بالفتحِ یُسمّٰی حقًا وقد یُطلقُ الصدقُ والحقُّ علی نفسِ المطابَقةِ ایضًا

ترجمہ : مصنف کا قول الصدق، خبر اور اعتقاد جب واقع کے مطابق ہوں تو واقع بھی ان کے مطابق ہوگا اس لیے کہ مفاعلہ جانبین سے ہوتا ہے پس وہ خبر اس حیثیت سے کہ وہ واقع کے مطابق ہے، صدق ہے اور اس حیثیت سے کہ واقع کے مطابَق ہے، حق ہے۔ اور کبھی صدق اور حق کا اطلاق کیا جاتا ہے نفس مطابقت پر بھی

﴿تشریح﴾ الخبر الخ :. یہاں سے صدق اور حق کے درمیان فرق بیان کرتے ہیں کہ ان کے درمیان حقیقۃً کوئی فرق نہیں

اعتباری فرق ہے وہ اس طرح کہ خبر جب واقع کے مطابق ہوتو وہ واقع بھی اس کے مطابق ہوگا اس لیے کہ مطابقہ مفاعلہ ہے جو جانبین سے ہوتا ہے پس خبر اس حیثیت سے کہ وہ واقع کے مطابق ہے، صدق ہے اور اس حیثیت سے کہ واقع خبر کے مطابق ہے یہ حق ہے۔

وقد یطلق الخ :. یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ قضیہ کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے قضیہ وہ قول مرکب ہے جو صدق اور کذب کا احتمال رکھے، صدق کا معنی ہے وہ خبر جو واقع کے مطابق ہو، اور خبر اور قضیہ میں ترادف ہے، قضیہ کی تعریف میں جب خبر کا ذکر آ گیا ہے تو گویا قضیہ کی تعریف میں قضیہ کا ذکر آ گیا ہے، یہ تعریف میں معرَّف کو ذکر کرنا ہے جو کہ جائز نہیں، اس کا جواب دیا کہ صدق کا ایک معنی تو وہ ہے جو بیان ہوا (کہ خبر واقع کے مطابق ہو) اور ایک صدق کا معنی ہے نفس مطابقت۔ قضیہ کی تعریف میں جس صدق کا تذکرہ ہے اس کا معنی نفس مطابقت ہے۔ اب قضیہ کی تعریف کا حاصل یہ ہوگا کہ قضیہ وہ ہے مطابقت اور عدم مطابقت کا احتمال رکھتا ہے لہذا اب قضیہ کی تعریف میں قضیہ کا ذکر لازم نہیں آئیگا۔

قولہ بالتصدیقِ متَعَلِّقٌ بقولہ سَعِدوا ای بسببِ التصدیقِ والایمانِ بماجاءَ بہ النبیُّ علیہ السلام قولُہ وصَعَدُوا فی معَارِجِ الحقِّ یعنی بَلَغُوا اقصٰی مراتِبِ الحقِّ فان الصُّعُودَ علی جمیعِ مراتبِہ یَستَلْزِمُ ذالک قولُہ بالتحقیقِ ظرفٌ لغوٌ متعلقٌ بقولِہ صَعَدُوا کمامرَّ اومُستَقَرٌّ خبرُ مبتدءٍ محذوفٍ ای ھذا الحکمُ متلبِّسٌ بالتحقیقِ ای مُتَحَقَّقٌ

ترجمہ : مصنف کا قول بالتصدیق متعلق ہے اس کے قول سعدوا کے یعنی تصدیق اور اس چیز پر ایمان کے سبب سے جس کو نبی علیہ السلام لے کر آئے ہیں۔ مصنف کا قول وصعدوا فی معارج الحق یعنی وہ پہنچ گئے حق کے اعلیٰ ترین مرتبے تک اس لیے کہ حق کے تمام مراتب تک چڑھنا اس کو مستلزم ہے مصنف کا قول بالتحقیق ظرف لغو ہے متعلق ہے اس کے قول صعدوا کے جیسا کہ گزرا یا یہ ظرف مستقر ہے خبر ہے مبتدا محذوف کی یعنی یہ حکم ملا ہوا ہے تحقیق کے ساتھ یعنی متحقق (ثابت) ہے۔

﴿تشریح﴾ قولہ بالتصدیق الخ :. یہ بالتصدیق کی ترکیب بیان کرتے ہیں کہ یہ متعلق ہے سعدوا کے اور باسببیہ ہے معنی ہے کہ وہ نیک بخت ہوئے تصدیق کے سبب سے اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کے سبب سے۔

وصعدوا الخ :. یعنی بلغوا سے صعدوا فی معارج الحق کا معنی بیان کیا کہ اس کا معنی ہے وہ حق کے اعلیٰ ترین مرتبہ تک پہنچ گئے، فان الصعود سے یہ معنی بیان کرنے کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ یہ معنی اس لیے بیان کیا کہ معارج جمع منتہی الجموع ہے جو مضاف ہے الحق معرف باللام کی طرف، اور جمع منتہی الجموع جب معرف باللام کی طرف مضاف ہوتو استغراق مراد ہوتا ہے، معنی ہوگا وہ حق کے تمام مراتب پر چڑھ گئے، اور حق کے تمام مراتب پر چڑھنا یہ مستلزم ہے حق کے اعلیٰ ترین مرتبے تک پہنچنے کو۔

ظرف لغو الخ : . یہاں سے بالتحقیق کی ترکیب بیان کرتے ہیں کہ اس کی ترکیب میں دو احتمال ہیں (۱) یہ ظرف لغو ہے اور متعلق کے صعد وا کے، (۲) یہ ظرف مستقر ہے، یہ متعلق ہے محذوف متلبس کے، اور یہ مبتدا محذوف ہذا الحکم کی خبر ہے اصل میں تھا ہذا الحکم متلبس بالتحقیق، متلبس بالتحقیق کا مطلب ہے متحقق۔ یعنی یہ حکم متحقق (ثابت) ہے۔

متن :وبعدُ فهذا غايةُ تهذيبِ الكلامِ فى تحريرِ المنطقِ والكلامِ وتقريبِ المرامِ من تقريرِ عقائدِ الاسلامِ ترجم جَعَلْتُه تبصرةً لِمن حَاوَلَ التَبَصُّرَ لَدَى الافِهَام وتذكِرَةً لِمَنْ ارادَ ان يتذكَّرَ مِن ذَوِى الافهَامِ سِيَّمَا الولدِ الاعزّ الحفيّ الحريّ بالاكرامِ سَمِيّ حبيبِ الله عليه التحيه والسلام لازَالَ له مِنَ التوفيقِ قِوامٌ ومِنَ التاييدِ عِصَامٌ وعلى اللهِ التوكلُ وبه الاعتِصَامُ

ترجمہ : اور بعد حمد وصلوۃ کے پس یہ انتہائی مہذب کلام ہے منطق اور کلام کی تحریر میں اور انتہائی قریب کرنا ہے مقصد کو یعنی اسلام کے عقائد کے اثبات کو، میں نے بنایا اس کو بصیرت حاصل کرنے کے لیے اس شخص کے لئے جو ارادہ کرے بصیرت حاصل کرنے کا اور بنایا اس کو نصیحت اس کے لیے جو ارادہ کرے نصیحت حاصل کرنے کا درآں حالانکہ وہ سمجھداروں میں سے ہو خصوصا اس بیٹے کے لیے جو عزت دار ہے شفیق ہے اکرام کے لائق ہے اللہ کے محبوب کا ہم نام ہے، ہمیشہ رہے اس کے لیے توفیق سے سہارا اور تائید سے مضبوطی اور اللہ ہی پر توکل ہے اور اسی کے ساتھ پکڑنا ہے (حق کو)

قوله وبعدُ هو مِنَ الغاياتِ ولها حالاتٌ ثلثٌ لانَّها اِمَّا ان يُذكَرَمعهاالمضافُ اليه اولا وعلى الثانِى اِمَّا ان يكون نسْيًا منسِيًا اومَنْوِيًا فعلَى الاوَّلَينِ مُعرَبَةٌ وعلى الثالِثِ مَبْنِيَةٌ فهذا الفاءُ اِمَّا على تَوَهُّمِ اَمَّا اوعلى تقديرِها فى نظمِ الكلامِ وهذا اشارةٌ الى المرتَّبِ الحاضرِ فى الذهنِ من المعانِى المخصوصَةِ المُعبَّرةِ عنها بالالفاظِ المخصوصةِ اوتلك الالفاظِ الدالَّةِ على المعانِى المخصوصةِ سواءٌ كان وضعُ الديباجةِ قبلَ التصنيفِ اوبعدَه اذ لاوجودَ للالفاظِ المرتَّبةِ ولاللمعانِى ايضًافى الخارجِ فان كانتِ الاشارةُ الى الالفاظِ فالمرادُ با الكلامِ الكلامُ اللفظىُّ وان كانَتُ الَى المعانِى فالمرادُ به الكلامُ النفسىُّ الذى يَدُلُّ عليه الكلامُ اللفظىُّ

ترجمہ:. اور مصنف کا قول وبعد، یہ غایات میں سے ہے اور ان کے تین حالات ہیں اس لیے کہ یا مذکور ہوگا ان کے ساتھ مضاف الیہ یا نہیں اور دوسری تقدیر پر یا وہ نسیا منسیا ہوگا یا نیت میں ہوگا پہلی دو صورتوں میں یہ معرب ہوتے ہیں اور تیسری صورت میں مبنی ہوتے ہیں، پس یہ فاء یا تو توہم اما کی بنا پر ہے یا اما کی تقدیر کی بناء پر کلام کے الفاظ میں اور ہذا اشارہ ہے اس چیز کی طرف جو مرتب ہے ذہن میں حاضر ہے یعنی معانی مخصوصہ جن کو تعبیر کیا جاتا ہے الفاظ مخصوصہ کے ساتھ یا ان الفاظ کی طرف

جودال ہیں معانی مخصوصہ پر برابر ہے خطبے کا لکھنا تصنیف سے پہلے ہو یا اس کے بعد، اس لیے کہ کوئی وجود نہیں الفاظ مرتبہ کا اور نہ معانی کا خارج میں پس اگر اشارہ الفاظ کی طرف ہو تو کلام سے مراد کلام لفظی ہوگا اور اگر اشارہ ہو معانی کی طرف تو اس سے مراد کلام نفسی ہوگا جس پر دلالت کرتا ہے کلام لفظی۔

﴿تشریح﴾ وبعد الخ :. یہاں نسخے دو قسم کے ہیں ایک میں ہے وہو من الغایات اور ایک میں ہے ہو من الظروف الزمانیہ، صحیح دوسرا نسخہ ہے کیونکہ جو آگے تین حالات بیان ہوئے ہیں وہ ظروف زمانیہ کے ہیں نہ کہ غایات کے۔ حاصل عبارت یہ ہے کہ بعد ظروف زمانیہ میں سے ہے اور ظروف زمانیہ کے تین حالات ہیں (۱) ان کا مضاف الیہ مذکور ہو، (۲) ان کا مضاف الیہ محذوف نسیا منسیا ہو (۳) ان کا مضاف الیہ محذوف منوی (نیت میں موجود) ہو۔ پہلی دو صورتوں میں یہ ظروف زمانیہ معرب ہوتے ہیں اور تیسری صورت میں یہ مبنی برضم ہوتے ہیں

فهذ الفاء الخ :. یہاں سے ہذا پر فاء کو داخل کرنے کی وجہ بیاں کرتے ہیں، کہ ہذا پر فاء کو داخل کیا یا تو اس وجہ سے یہاں اما کا وہم ہے، یہ خیال ہے کہ شائد یہاں اما موجود ہے، اور یا پھر اس وجہ سے کہ یہاں اما مقدر ہے، اصل میں تھا اما بعد فہذا الخ۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہاں فاء کا دخول نہ تو توہم اما کی بناء پر ہے اور نہ تقدیر اما کی بناء پر، بلکہ **بعد** شرط کے معنیٰ کو متضمن ہے، اور ہذا الخ جزاء کے معنیٰ کو متضمن ہے اسی لیے ہذا پر فاء داخل کی، جیسے **واذ لم یهتدوا فسیقولون هذا افک قدیم** ۔ اس میں اذ شرط کے معنیٰ کو متضمن ہے اسی لیے سیقولون پر فاء داخل کی۔

وهذا الاشارة الخ :. یہاں سے ہذا کا مشار الیہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے مشار الیہ میں سات احتمال ہیں (۱) الفاظ (۲) معانی (۳) نقوش (۴) الفاظ اور معانی (۵) الفاظ اور نقوش (۶) معانی اور نقوش (۷) الفاظ، معانی اور نقوش۔ لیکن ان میں دو احتمال صحیح ہیں باقی غلط ہیں۔ صحیح یہ ہیں (۱) الفاظ (۲) معانی

سواء الخ :. یہاں سے بعض لوگوں پر رد کرتے ہیں، جس کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھیں کہ خطبہ دو قسم پر ہے، خطبہ ابتدائیہ اور خطبہ الحاقیہ، خطبہ ابتدائیہ یہ ہے کہ خطبہ پہلے لکھا جائے اور کتاب بعد میں، خطبہ الحاقیہ یہ ہے کہ کتاب پہلے لکھی جائے اور خطبہ بعد میں، اب سمجھیں کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر خطبہ ابتدائیہ ہو تو ہذا سے اشارہ ہوگا حاضر فی الذہن کی طرف، (کیونکہ کتاب تو ابھی تک وجود میں نہیں آئی تھی) اور اگر خطبہ الحاقیہ ہو تو ہذا سے اشارہ ہوگا حاضر فی الخارج کی طرف، کیونکہ کتاب پہلے سے موجود تھی۔ اس پر رد کر دیا کہ خواہ خطبہ ابتدائیہ ہو یا الحاقیہ، ہذا کا اشارہ موجود فی الخارج کی طرف نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ خارج میں فقط نقوش ہوتے ہیں الفاظ نہیں، اور یہ بات پہلے سے معلوم ہو چکی ہے کہ نقوش کو مشار الیہ بنانا درست نہیں۔

فان كانت الاشارة الخ :. یہاں سے ایک فائدہ بیان کرتے ہیں کہ مصنف کے قول ہذا غایۃ تہذیب الکلام میں

اگر ہذا کا اشارہ الفاظ کی طرف ہوتو کلام سے مراد کلام لفظی ہوگا اور ہذا کا اشارہ معانی کی طرف ہوتو کلام سے مراد کلام نفسی ہوگا۔ کلام نفسی معنی کو کہتے ہیں جو دل میں موجود ہوتا ہے اور کلام لفظی اس پر دلالت کرتا ہے۔

قولُهُ غايةُ تهذيبِ الكلامِ حَمَلَه على هذ ا بناءً على المبالغةِ نحوُ زيدٌ عدلٌ اوبناءً على اَنَّ التقديرَ هذا كلامٌ مهذَّبٌ غايةَ التهذيبِ فَحُذِف الخبرُ واُقيمَ المفعولُ المطلقُ مقامَه واُعرِبَ باعرابِه على طريقِ مجازِ الحذفِ

ترجمہ: . مصنف کا قول غایۃ تہذیب الکلام، اس کو محمول کیا ہذا پر مبالغہ کی بناء پر جیسے زید عدل یا اس بات پر بناء کرتے ہوئے کہ تقدیر عبارت ہے ہذا کلام مہذب غایۃ التہذیب، پس حذف کر دیا گیا خبر کو اور مفعول مطلق کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا اور اس کو خبر والا اعراب دیا گیا مجاز حذف کے طریق پر۔

﴿تشریح﴾ حملہ الخ: . یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ ہذا مبتدا ہے اور غایۃ الخ خبر ہے خبر کا مبتدا پر حمل ہوتا ہے اور یہاں حمل صحیح نہیں اس لیے کہ ہذا ذات پر دلالت کرتا ہے اور تہذیب مصدر ہے جو وصف پر دال ہے اور وصف کا حمل ذات پر جائز نہیں اس کے دو جواب دیئے پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حمل مبالغہ کے طور پر ہے جیسے زید عدل، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں مجاز حذف ہے، مجاز حذف کا مطلب ہے عامل کو حذف کر دیا جائے اور اس کے معمول کو اس کے قائم مقام کر دیا جائے اور جو اعراب عامل کا ہو وہ معمول کو دے دیا جائے، یہاں اصل میں تھا ہذا مہذب غایۃ التہذیب، مہذب عامل ہے اور غایۃ التہذیب اس کا مفعول مطلق ہے، مہذب کو حذف کر دیا اور غایۃ التہذیب کو اس کے قائم مقام کر دیا اور جو اعراب مہذب کا تھا وہ غایۃ التہذیب کو دے دیا، تو ہذا غایۃ التہذیب ہو گیا پھر الف لام کے عوض میں الکلام آخر میں مضاف الیہ لے آئے تو ہذا غایۃ تہذیب الکلام ہو گیا۔

قولُه فى تحريرِ المنطقِ والكلامِ لم يَقُلْ فى بيانِهما لِمَا فى لفظِ التحريرِ من الاشارةِ الى انَّ هذا البيانَ خالٍ عن الحشوِوالزوائدِ والمنطقُ آلةٌ قانونيةٌ تَعصِمُ مُراعاتُها الذهنَ عنِ الخطاِ فى الفكرِ والكلامُ هو العلمُ الباحثُ عن احوالِ المبدءِ والمعادِ على نهجِ قانونِ الاسلامِ قولُه وتقريبِ المرامِ بالجرّ عطفٌ على التهذيبِ اى هذا غايةُ تقريبِ المقصدِ الى الطبائعِ والافهامِ والحملُ على طريقِ المبالغةِ اوالتقديرُ هذا مُقَرّبٌ غايةَ التقريبِ

ترجمہ: مصنف کا قول فی تحریر المنطق والکلام، فی بیان المنطق والکلام نہیں کہا اس لیے کہ لفظ تحریر میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ بیان حشو اور زوائد سے خالی ہے، اور منطق وہ آلہ قانونیہ ہے جس کی رعایت رکھنا ذہن کو فکر میں واقع ہونے والی غلطی سے بچاتا ہے، اور علم کلام وہ علم ہے جو بحث کرنے والا ہے مبدء اور معاد کے احوال سے اسلام کے قانون کے طریق پر۔ مصنف

کاقول وتقریب المرام جر کے ساتھ معطوف ہے تہذیب پر، یعنی ہذا غایۃ تقریب الخ، یہ انتہائی قریب کرنا ہے مقصد کو طبائع اور اذہان کے اور حمل مبالغہ کے طریق پر ہے یا تقدیر عبارت ہے ہذا مقرب غایۃ التقریب۔

﴿تشریح﴾ لم یقل الخ : ۔یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ مصنف نے فی تحریر المنطق والکلام کہا فی بیان المنطق والکلام کیوں نہ کہا؟ اس کا جواب دیا کہ تحریر کا لفظ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میری یہ کتاب حشو اور زوائد سے خالی ہے۔حشو اس زیادتی کو کہتے ہیں جو متعین ہو جبکہ زوائد غیر متعین زیادتیاں کہلاتی ہیں۔

والمنطق الخ : ۔یہاں سے منطق کی تعریف کرتے ہیں کہ منطق کا لغوی معنی ہے بولنا اور اصطلاحی معنی ہے منطق ایسا آلہ قانونیہ ہے جس کی رعایت رکھنا نظر وفکر میں واقع ہونے غلطی سے بچاتا ہے۔قانونیہ کے لفظ سے وہ آلات نکل گئے جو قانونی نہیں جیسے کلہاڑی، چاقو وغیرہ، تعصم مراعاتہا اس لیے کہ نفس منطق خطافی الفکر سے نہیں بچاتی بلکہ منطق کی رعایت رکھنا خطافی الفکر سے بچاتا ہے، الخطافی الفکر قید احترازی ہے اس سے وہ علوم نکل گئے جو خطافی الفکر سے نہیں بچاتے بلکہ لفظی غلطی سے بچاتے ہیں جیسے صرف ونحو۔

والکلام الخ : ۔یہاں سے علم کلام کی تعریف کرتے ہیں کہ علم کلام وہ علم ہے جس میں مبدا اور معاد کے احوال سے اسلام کے قانون کے مطابق بحث کی جائے۔مبدء سے مراد ذات باری تعالی ہے اور معاد سے مراد آخرت ہے۔علی نہج قانون الاسلام قید احترازی ہے اس سے وہ علوم نکل گئے جن میں مبداء اور معاد کے احوال سے بحث کی جاتی ہے لیکن اسلام کے قانون کے مطابق نہیں بلکہ عقل کے مطابق کی جاتی ہے جیسے فلسفہ۔

بالجر الخ : ۔یہاں سے تقریب المرام کی ترکیب بیان کرتے ہیں کہ تقریب کا عطف ہے تہذیب پر، تو غایۃ تقریب پر بھی مسلط ہوگا تو تقدیر عبارت ہوگی غایۃ تقریب المرام۔ ای ہذا سے معنی بیان کیا کہ اس کا معنی ہے یہ انتہائی قریب کرنے والی ہے مقصد کو طبیعتوں اور اذہان کے۔

والحمل الخ : ۔یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ ہذا مبتدا ہے اور غایۃ تقریب المرام خبر ہے (بواسطہ عطف کے)، خبر کا مبتدا پر حمل ہوتا ہے اور یہاں حمل صحیح نہیں اس لیے کہ ہذا ذات پر دلالت کرتا ہے جبکہ تقریب مصدر ہے اور مصدر وصف پر دال ہے اور وصف کا حمل ذات پر جائز نہیں، اس کے دو جواب دئے پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حمل مبالغے کے طریق پر ہے، جیسے زید عدل۔دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں مجاز حذف ہے، اصل میں تھا ہذا مقرب غایۃ التقریب۔مقرب کو حذف کر دیا اور غایۃ التقریب جو کہ اس کا مفعول مطلق ہے اس کو اس کے قائم مقام کر دیا اور جو اعراب مقرب کا تھا وہ غایۃ التقریب کو دے دیا تو ہذا غایۃ التقریب ہو گیا۔پھر الف لام کے عوض میں المرام مضاف الیہ لے آئے تو ہذا غایۃ تقریب المرام ہو گیا۔

قولُہ من تقریرِ عقائدِ الاسلامِ بیانٌ للمرامِ والاضافةُ فی عقائدِ الاسلامِ بیانیةٌ اِن کانَ الاسلامُ عبارةً عن نفسِ الاعتقاداتِ وان کانَ عبارةً عنِ مجموعِ الاقرارِ باللسانِ والتصدیقِ بالجنانِ والعملِ بالارکانِ اوکانَ عبارةً عن مجردِ الاقرارِ باللسانِ فالاضافةُ لامیةٌ

ترجمہ : مصنف کا قول من تقریر عقائدالاسلام مرام کا بیان ہے، اور عقائدالاسلام میں اضافت بیانیہ ہے اگر اسلام عبارت ہو نفس اعتقاد سے اور اگر عبارت ہو اقرار باللسان اور دل کی تصدیق اور اعضاء کے ساتھ عمل کے مجموعہ سے یا عبارت ہو محض اقرار باللسان سے تو اضافت لامیہ ہے۔

﴿تشریح﴾ بیان المرام:۔ یہ من تقریر عقائدالاسلام کی تحقیق ہے کہ یہ المرام کا بیان ہے۔یعنی مرام سے مراد اسلام کے عقائد کا اثبات ہے۔

والاضافة الخ :۔ یہاں سے عقائدالاسلام میں جو اضافت ہے اس کی تحقیق کرتے ہیں جس کو سمجھنے سے پہلے دو باتیں سمجھنی چاہیئں (۱) اضافت کی تین قسمیں ہیں اضافت بیانیہ، اضافت ظرفیہ اور اضافت لامیہ، اضافة بیانیہ یہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف کا عین ہو اضافت ظرفیہ وہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو اور اضافت لامیہ وہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف کا نہ عین ہو اور نہ ظرف ہو۔(۲) اسلام کے بارے میں تین مذہب ہیں، جمہور کہتے ہیں کہ اسلام نام ہے صرف اعتقادات کا، محدثین کہتے ہیں کہ اسلام نام ہے اعتقاد، اقرار باللسان اور اعمال کے مجموعے کا، اور کرامیہ کہتے ہیں کہ اسلام نام ہے صرف اقرار باللسان کا۔

اب سمجھیں کہ اگر اسلام نام ہو صرف اعتقادات کا تو عقائدالاسلام میں اضافت اضافت بیانیہ ہوگی، اور اگر اسلام نام ہو تصدیق، اقرار اور عمل کے مجموعے کا، یا اسلام نام ہو صرف اقرار باللسان کا تو یہ اضافت لامیہ ہوگی۔

قولہ جَعَلْتُه تبصرةً ای مُبَصِّرًا ویحتَمِلُ التجوُّزَ فی الاسنادِ وکذا قولُه تذکرةً قولُه لَدَی الاِفہام بالکسر ای تفہیمِ الغیرِ ایاہُ اوتفہیمِه لِلغیرِ والاوَّلُ لِلمتعلمِ والثانِی لِلمُعَلِّمِ قولُه من ذَوِی الاَفہامِ بفتحِ الہَمزةِ جمعُ فہْمٍ والظرفُ اِمَّافِی موضعِ الحالِ مِن فاعِلِ یَتَذَکُّرُ اومُتَعَلِّقٌ بیتذَکَّرَ بتضمینِ معنَی الاخذِ اوالتعلمِ ای یَتَذکَّر آخِذًا اومتَعَلِّمًا من ذَوِی الاَفہَامِ فَہذا ایضًا یَحتمِلُ الوجہینِ

ترجمہ: مصنف کا قول جعلتہ تبصرۃ یعنی مبصرا (بینائی بخش) اور یہ احتمال رکھتا ہے مجاز فی الاسناد کا، اور اسی طرح مصنف کا قول تذکرۃ ہے، مصنف کا قول لدی الافہام کسرہ کیساتھ ہے، یعنی غیر کے اس کو سمجھانے کے وقت یا اس کے غیر کو سمجھانے کے وقت، پہلا احتمال متعلم کے لیے اور دوسرا معلم کے لیے ہے۔مصنف کا قول من ذوی الافہام ہمزہ کے فتح کے ساتھ ہے، یہ جمع ہے فہم کی،

اورظرف یایتذکر کے فاعل سے حال کی جگہ پر ہے یایہ متعلق ہے یتذکر کے اخذ یاتعلم کے معنی کی تضمین کے ساتھ یعنی نصیحت حاصل کرے درآں حالانکہ وہ لینے والا ہو یاتعلیم حاصل کرنے والا ہو سمجھداروں سے پس یہ بھی دوصورتوں کا احتمال رکھتا ہے

﴿تشـریح﴾ **ای مبصـرا الخ :** ۔یہ ایک سوال کا جواب ہے،سوال کی تقریر یہ ہے کہ جعلتہ تبصرۃ میں جعلت دومفعولوں کی طرف متعدی ہے ایک ہ ضمیراور دوسرا تبصرۃ،اور جعل کے دوسرے مفعول کا پہلے مفعول پرحمل ہوتا ہے اور یہاں حمل صحیح نہیں اس لیے کہ ہ ضمیر ذات پر دال ہے اور تبصرہ مصدر ہے جو وصف محض پر دلالت کرتا ہے اور وصف کا حمل ذات پر جائز نہیں۔اس کے دوجواب ہیں (۱) تبصرہ مصدر اسم فاعل مبصرا کے معنی میں ہے اور مبصرا ذات مع الوصف پر دال ہے اور ذات مع الوصف کا حمل ذات پر جائز ہے۔(۲) یہ اسناد مجازی ہے یعنی مفعول ثانی کا مفعول اول پر حمل مبالغہ پر مبنی ہے۔وکذا قولہ تذکرۃ میں تذکرۃ میں یہی سوال جواب ہے۔

لـدی الافهـام الـخ : ۔افہام کی تحقیق کرتے ہیں کہ یہ باب افعال کا مصدر ہے،اورلدی الافہام میں دومعنوں کا احتمال ہے۔(۱) تفہیم الغیر ایاہ یعنی میں نے اس کو بنایا تبصرہ جب غیر اس کو سمجھا رہا ہو (۲) تفہیمہ للغیر ،یعنی میں نے بنایا اس کو تبصرہ جب وہ غیر کو سمجھا رہا ہو پہلی صورت میں یہ کتاب تبصرہ ہوگی متعلم کے لیے اور دوسری صورت میں یہ کتاب تبصرہ ہوگی معلم کے لیے۔

مـن ذوی الافهـام الخ : ۔ افہام کی تحقیق کرتے ہیں کہ افہام جمع ہے فہم کی،والظرف الخ سے من ذوی الافہام کی ترکیب بیان کرتے ہیں کہ اس کی ترکیب میں دواحتمال ہیں (۱) من ذوی الافہام یتذکر کی ضمیر فاعل سے حال ہے معنی ہوگا اور میں نے بنایا اس کو تذکرہ اس شخص کے لیے جو ارادہ کرے یہ کہ نصیحت حاصل کرے دراں حالانکہ وہ نصیحت حاصل کرنے والا سمجھداروں میں سے ہو (۲) من ذوی الافہام یتذکر کے متعلق ہے۔اس پر سوال ہوتا ہے کہ من ذوی الافہام کو یتذکر کے متعلق کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ یتذکر کا صلہ من نہیں آتا تو شارح نے بتضمین سے اس کا جواب دیا کہ یتذکر میں اخذ یا تعلم کے معنی کی تضمین کردی گئی ہے (یتذکر میں اخذ یا تعلم کے معنی کو شامل کردیا گیا ہے) اور اخذ اور تعلم کا صلہ من آتا ہے،اب عبارت اس طرح ہوگی ،یتذکر آخذا اومتعلما من ذوی الافہام (نصیحت حاصل کرے درآں حالانکہ وہ لینے والا ہو یا سیکھنے والا ہو سمجھداروں سے)

فهـذا ایضا الخ : ۔ایک فائدہ بیان کرتے ہیں کہ **وتـذکـرۃ لمن اراد ان یتذکر من ذوی الافهام** میں دو صورتوں کا احتمال ہے،اگر من ذوی الافہام یتذکر کی ضمیر فاعل سے حال ہو تو یہ کتاب تذکرہ ہوگی معلم کے لیے اور اگر من ذوی الافہام یتذکر کے متعلق ہو تو یہ کتاب تذکرہ ہوگی متعلم کے لیے۔

قولُه سِیَّما السِّیُّ بمعنَی المثلِ یقالُ هما سِیَّانِ ای هما مِثْلانِ واصلُ سِیَّمَا لا سِیَّما حُذِفَ لا فی اللفظِ لکنَّه مُرادٌ معنًی وما زائدةٌ اوموصولةٌ اوموصوفةٌ وهذا اصلُه ثم استُعمِلَ بمعنٰی خُصُوصًا وفیما بعدَه ثلثةُ اوجُهٍ

ترجمہ: مصنف کا قول سیما، سی بمعنی مثل کے ہے کہا جاتا ہے ہما سیان یعنی ہما مثلان، اور سیما کی اصل لا سیما ہے لا کو حذف کر دیا لفظوں میں لیکن وہ معنی میں مراد ہے اور ما زائدہ ہے یا موصولہ ہے یا موصوفہ ہے اور یہ اس کی اصل ہے پھر اس کا استعمال ہوا خصوصا کے معنی میں اور اس کے مابعد میں تین صورتیں جائز ہیں

﴿تشریح﴾ قوله سیما الخ: سیما کی تحقیق کرتے ہیں کہ سی کا معنی ہے مثل، کہا جاتا ہے ہما سیان یعنی ہما مثلان (وہ دونوں برابر ہیں)، سیما کی اصل لا سیما ہے، لا کو لفظوں سے تو حذف کر دیا گیا لیکن معنی کے لحاظ سے لا موجود ہے اس لیے کہ سیما کا معنی ہے نفی مثل (بے مثال)، ظاہر ہے نفی لا کا مدلول ہے۔ سیما میں جو ماء ہے اس میں تین احتمال ہیں، (۱) ما زائدہ ہے (۲) ما موصولہ ہے (۳) ما موصوفہ ہے اگر ما زائد ہو تو تقدیر عبارت ہوگی سی الولد، اور ما موصولہ ہو تو تقدیر عبارت ہوگی سی الذی ہو الولد، اگر موصوفہ ہو تو تقدیر عبارت ہوگی سی شئی ہو الولد۔ تو سیما کا اصل معنی تو ہے نفی مثل ہے لیکن اب یہ خصوصا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

وفیما بعده الخ:۔ سیما کے مابعد (الولد) میں تین صورتیں جائز ہیں رفع نصب اور جر، رفع تو اس بناء پر الولد خبر ہے مبتدا محذوف کا اصل میں ہے سی شئی ہو الولد، اور نصب اس بناء پر کہ سیما بمنزلہ کلمہ استثناء کے ہے اور الولد مستثنیٰ ہے۔ اور جر اس بناء پر کہ الولد مضاف الیہ ہے سی کا۔

قوله الحفیُّ الشفیقُ قوله الحرِیُّ الائِقُ قولُه قِوَامٌ ای مایَقُومُ به امرُه قولُه التائیدِ ای التقویةِ من الایدِ بمعنَی القوةِ قولُه عَصَامٌ ای ما یُعصَم امرُه من الذَّلَلِ وعلی اللهِ قدَّمَ الظرفَ ههنا لِقصدِ الحصْرِ وفی قولِه به لِرعایةِ السجعِ ایضًا قولُه التوکلُ هو التَّمَسُّکُ بالحقِّ والانقطاعُ عَنِ الخلقِ قوله والاعتَصَامُ وهو التشبُّثُ والتمسُّکُ .

ترجمہ: مصنف کا قول الحفی یعنی شفیق، اس کا قول الحری یعنی لائق، اس کا قول قوام یعنی وہ چیز جس کے ساتھ اس کا امر قائم ہو، اس کا قول التائید یعنی قوت دینا ماخوذ ہے اید سے بمعنی قوت، اس کا قول عصام یعنی وہ چیز جس کی ذریعہ حفاظت ہو اس کے معاملے کی پھسلن سے، وعلی اللہ میں ظرف کو مقدم کیا یہاں پر حصر کے لیے اور اپنے اس قول بہ میں مقدم کیا رعایت سجع کے لیے بھی، اس کا قول التوکل یعنی حق کو پکڑنا اور مخلوق سے تعلق توڑنا، اس کا قول الاعتصام اور وہ ہے مضبوطی کے ساتھ پکڑنا اور تھامنا۔

﴿تشریح﴾ الحفی الخ :۔ یہاں سے متن کی وضاحت کرتے ہیں کہ حفی کا معنی ہے شفیق، الحری کا معنی ہے لائق، قوام کا معنی ہے جس کے ساتھ امر قائم ہو، تائید کا معنی ہے قوت دینا، تائید اید سے ماخوذ ہے اور اید کا معنی قوت ہے۔ عصام کا معنی ہے جس کے ذریعہ کسی چیز کو پھسلنے سے محفوظ کیا جائے،

قدم الظرف الخ:. یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ علی اللہ ظرف اور معمول ہے التوکل کا، عام طور پر عامل مقدم ہوتا ہے یہاں معمول اور ظرف کو کیوں مقدم کیا؟ اس کا جواب دیا کہ ظرف کو یہاں مقدم کیا تا کہ حصر کا فائدہ حاصل ہو جائے، معنی یہ ہے اللہ ہی پر توکل ہے۔

وفی قولہ بہ الخ : ۔ یہ بھی ایک سوال کا جواب ہے کہ بہ ظرف اور معمول ہے الاعتصام کا، عامل مقدم ہوتا ہے یہاں معمول کو کیوں مقدم کیا اس کا جواب دیا کہ ظرف کو یہاں مقدم کیا دو وجہوں سے، (۱) تا کہ حصر کا فائدہ حاصل ہو جائے (۲) تا کہ سجع کی رعایت ہو جائے، سجع کا مطلب ہے کلمات کا آخر ایک نہج پر ہو جائے۔

قولہ التوکل الخ :. توکل کا معنی بیان کیا کہ توکل کہتے ہیں حق کو مضبوطی سے پکڑنا اور مخلوق سے ناطہ توڑ دینا، الاعتصام کا معنی ہے مضبوطی سے پکڑنا اور تھامنا۔

متن:۔ القسمُ الاوَّلُ فی المنطِقِ مُقَدَّمةٌ قسم اول منطق میں ہے اور یہ مقدمہ ہے

قولُه القسمُ الاوَّلُ لَمَّا عُلِمَ ضِمْنًا فی قولِه فی تحریرِ المنطقِ والکلامِ انَّ کتابَه علی قسمینِ لَمْ یَحْتَجْ الی التصریحِ بهذا فَصَحَّ تعریفُ القسمِ الاوَّلِ بِلامِ العهدِ لِکَونِه معهودًا ضِمْنًا وهذا بخلافِ المقدَّمَةِ فانها لم یُعْلَمْ وجودُها سابقًا فلم تکُنْ معهودةً فلِذَا نَکَّرَها وقال مُقَدَّمَةٌ

ترجمہ :. مصنف کا قول القسم الاول، جب ضمنا معلوم ہو چکا مصنف کے قول فی تحریر المنطق والکلام میں کہ اس کی کتاب دو قسموں پر ہے تو وہ محتاج نہیں ہوئے اس کی تصریح کرنے کے، پس صحیح ہے قسم اول کو معرفہ ذکر کرنا لام عہد کے ساتھ، بوجہ اس کے ضمنا معہود ہونے کے اور یہ بخلاف مقدمہ کے ہے، اس لیے کہ نہیں معلوم اس کا وجود پہلے پس یہ معہود نہیں پس اس لیے اس کو نکرہ ذکر کیا اور کہا مقدمۃ

﴿تشریح﴾ **لما علم الخ :** ۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ مصنف کا قول القسم الاول درست نہیں اس لیے کہ یہ تب درست ہوتا جب مصنف نے پہلے یہ کہا ہوتا کہ اس کی کتاب کی دو قسمیں ہیں حالانکہ مصنف نے پہلے یہ نہیں کہا۔ اس کا جواب دیا کہ مصنف نے یہ بات اگر چہ صراحۃ نہیں کی لیکن ضمنا کہی ہے، وہ اس طرح کہ جب مصنف نے کہا فی تحریر المنطق

والکلام توضمنا یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس کتاب کی دو قسمیں ہیں منطق اور کلام۔

فصح الخ : ۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ القسم الاول میں لام عہد خارجی داخل کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ لام عہد خارجی کی شرط یہ ہے کہ معہود پیچھے مذکور ہو جبکہ یہاں معہود پیچھے مذکور نہیں اس کا جواب دیا کہ معہود اگر چہ پیچھے صراحۃ مذکور نہیں ہے لیکن فی تحریر المنطق والکلام میں ضمنا مذکور ہے۔

وھذا الخ : ۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ اس کی کیا وجہ کہ القسم الاول کو معرفہ ذکر کیا جبکہ مقدمۃ کو نکرہ ذکر کیا؟ اس کا جواب دیا کہ چونکہ القسم الاول کا پیچھے ضمنا تذکرہ ہو چکا تھا اس لیے اس کو معرفہ ذکر کیا جبکہ مقدمہ کا ذکر پیچھے بالکل نہیں ہوا اس لیے اس کو نکرہ ذکر کیا۔

قولُه فی المنطقِ فان قِیْلَ لَیْسَ القسمُ الاوَّلُ الا المسائلَ المنطقیةَ فما توجیهُ الظرفیةِ قلتُ یجوزُ ان یُرادَ بالقسمِ الاوَّلِ الالفاظُ والعباراتُ وبالمنطقِ المعانِی فیکونُ المعنٰی ان هذه الالفاظَ فی بیانِ هَذِهِ المعانِی ویَحتَمِلُ وجوهًا اُخَرَ والتفصیلُ انَّ القسمَ الاوَّلَ عبارةٌ عن احدِ المعانِی السبعةِ اِمَّا الالفاظِ او المعانی او النقوشِ او المرکبِ من الاثنینِ او الثلاثةِ والمنطقُ عبارةٌ عن احدِ معانٍ خمسةٍ اِمَّا الملکةِ او العلمِ بجمیعِ المسائلِ او بالقدرِ المعتدِّ به الذی یحصلُ به العِصْمَةُ او نفسِ المسائلِ جمیعًا او نفسِ القدرِ المعتدِّبه فیحصلُ من ملاحظةِ الخمسةِ مع السبعةِ خمسةٌ وسبعینَ احتمالًا یُقدَّرُ فی بعضِها البیانُ وفی بعضِها التحصیلُ وفی بعضِها الحصولُ حیثُما وجَدَه العقلُ السلیمُ مناسِبًا

ترجمه : مصنف کا قول فی المنطق، پس اگر تو کہے کہ نہیں ہے قسم اول مگر مسائل منطقیہ پس ظرفیۃ کی کیا توجیہ ہے؟ تو میں کہوں گا کہ جائز ہے کہ قسم اول سے مراد الفاظ اور عبارات ہوں اور منطق سے مراد معانی ہوں پس معنی ہوگا کہ یہ الفاظ ان معانی کے بیان میں ہیں، اور اس میں دیگر صورتوں کا بھی احتمال ہے اور تفصیل یہ ہے کہ قسم اول عبارت ہے سات معانی میں سے ایک معنی سے یا الفاظ، یا معانی یا نقوش یا وہ جو مرکب ہوں دو سے یا تین سے اور منطق عبارت ہے پانچ معانی میں سے ایک سے یا ملکہ، یا تمام مسائل کا علم، یا اتنی مقدار مسائل کا علم جو معتد بہ جس سے حاصل ہو خطاء سے حفاظت، یا تمام نفس مسائل یا اتنی مقدار مسائل جو معتد بہ ہو پس حاصل ہونگے پانچ کے سات کے ساتھ ملاحظہ سے پینتیس احتمالات، مقدر مانا جائیگا کہ بعض میں بیان کو اور بعض میں تحصیل کو اور بعض میں حصول کو جس طرح اس کو عقل سلیم مناسب پائے۔

﴿تشریح﴾ فان قیل الخ : ۔ یہاں سے ایک سوال نقل کر کے اس کے دو جواب دیتے ہیں، سوال کی تقریر یہ ہے کہ القسم الاول فی المنطق کہنا درست نہیں اس لیے کہ القسم الاول سے مراد مسائل منطقیہ ہیں اور منطق سے مراد بھی مسائل منطقیہ ہیں تو

تقدیر عبارت ہوگی المسائل المنطقیہ فی المسائل المنطقیہ ، یہ ظرفیۃ الشئی لنفسہ ہے جوکہ جائز نہیں، پہلا جواب (جوکہ اجمالی ہے) یہ ہے کہ القسم الاول سے مراد الفاظ ہیں اور منطق سے مراد معانی ہیں، مطلب ہے الالفاظ فی بیان المعانی، اب ظرفیۃ الشئی لنفسہ لازم نہ آئیگی۔ دوسرا تفصیلی جواب یہ ہے کہ القسم الاول کی مراد میں سات احتمال ہیں ، (۱)الفاظ (۲)معانی (۳)نقوش (۴)الفاظ اور معانی (۵)معانی اور نقوش (۶)الفاظ اور نقوش (۷)الفاظ، معانی اور نقوش۔ اور منطق کی مراد میں پانچ احتمال ہیں (۱) ملکہ (وہ استعداد جس کی وجہ سے انسان کمال حاصل کر سکے) (۲) تمام مسائل کا علم (۳) ضروری مسائل کا علم (۴) تمام نفس مسائل (۵) ضروری مسائل، سات کو پانچ میں ضرب دینے سے کل پینتیس احتمال ہوئے، جن میں بعض کے اندر بیان کو مقدر مانا جائے گا، بعض میں تحصیل کو اور بعض میں بیان کو۔ جیسے مثلا الالفاظ فی بیان الملکۃ، الالفاظ فی حصول العلم بجمیع المسائل، وعلی ہذا القیاس۔

قوله مُقَدَّمَةٌ ای هذه مُقَدَّمَةٌ بُيِّنَ فيها امورٌ ثلثةٌ رسمُ المنطقِ وبيانُ الحاجَةِ وموضوعُه وهی ماخوذَةٌ من مقدَّمَةِ الجيشِ والمرادُ منها ههنا ان كانَ الكتابُ عبارةً عن الالفَاظِ والعباراتِ طائفةٌ من الكلامِ قُدِّمَتْ اَمَامَ المقصودِ لِارتِبَاطِ المقصودِ بها ونَفعِها فيه وان كانَ عبارةً عن المعانِی فالمرادُ من المقدَّمَةِ طائفةٌ من المعانِی يُوجِبُ الاطلاعُ عليها بصيرةً فی الشروعِ وتجويزُ الاحتمالاتِ الُاخَرِ فی الكتابِ يستَدْعِی جوازَها فی المقدمةِ التی هی جزءُه لكنَّ القومَ لم يَزِيْدُوا علی الالفاظِ والمعانِی فی هذا البابِ

ترجمہ: مصنف کا قول مقدمۃ ، یعنی یہ مقدمہ ہے، اس میں بیان کیے جاتے ہیں تین امور، منطق کی تعریف، اور اس کی ضرورت اور اس کا موضوع، اور یہ ماخوذ ہے مقدمۃ الجیش سے، اور اس سے مراد یہاں پر اگر کتاب عبارت ہو الفاظ وعبارات سے کلام کا ایک حصہ ہے جس کو مقدم کیا جاتا ہے مقصود سے پہلے بوجہ مقصود کے اس کے ساتھ مرتبط ہونے کے اور بوجہ کلام کے اس حصے کے مقصود میں نافع ہونے کے اور اگر یہ عبارت ہو معانی سے تو مقدمہ سے مراد معانی کا ایک حصہ ہوگا جس پر مطلع ہونا واجب کرتا ہے شروع (فی العلم) میں بصیرت کو اور دیگر احتمالات کا جائز ہونا کتاب میں تقاضہ کرتا ہے ان کے جائز ہونے کا مقدمہ میں جو کہ کتاب کا جزء ہے لیکن قوم نے اضافہ نہیں کیا الفاظ ومعانی پر اس باب میں۔

تشریح ای ھذہ مقدمۃ الخ : ۔ یہاں سے شارح نے مقدمۃ کی ترکیب کی طرف اشارہ کیا کہ مقدمۃ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے جو کہ ہذہ ہے، اصل میں تھا ہذہ مقدمۃ ۔ بین الخ سے بتایا کہ مقدمہ میں تین چیزوں کا بیان ہوگا منطق کی تعریف، منطق کی غرض اور منطق کا موضوع۔ وہی ماخوذۃ الخ سے مقدمۃ کا ماخذ بیان کیا کہ یہ مقدمۃ الجیش سے ماخوذ ہے، مقدمۃ الجیش لشکر کے اس اگلے حصے کو کہتے ہیں جو آگے بھیجا جائے تا کہ پیچھے آنے والے لشکر کے لیے انتظامات کر سکے۔ مقدمہ

کومقدمہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے پڑھنے اور سمجھنے سے بھی کتاب آسان ہوجاتی ہے۔

والمـراد الخ :۔ یہاں سے مقدمہ کا مصداق بیان کرتے ہیں کہ اگر کتاب سے مرادالفاظ ہوں تو مقدمہ سے مراد کلام کا وہ حصہ ہوگا جس کو مقصود سے پہلے ذکر کیا جاتا ہے اس لیے کہ مقصود اس کے ساتھ مربوط ہوتا ہے اور وہ کلام مقصود میں نافع ہوتا ہے اور اگر کتاب سے مراد معانی ہوں تو مقدمہ سے مراد معانی کا وہ حصہ ہوگا جس کے معلوم ہونے سے شروع فی العلم میں بصیرت حاصل ہوتی ہے۔

وتجویـز الخ :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ کتاب میں سات احتمال ہیں (الفاظ، معانی ،نقوش وغیرہ)، مقدمہ کتاب کا جزء ہے تو اس میں بھی یہی سات احتمال ہونگے، پھر کیا وجہ کہ آپ نے صرف دو احتمال ذکر کیے، الفاظ اور معانی؟ اس کا جواب دیا کہ اگر چہ مقدمہ میں بھی یہی سات احتمال ہیں لیکن مناطقہ سے مقدمہ میں صرف یہی دو احتمال ذکر کیے اس لیے ہم نے بھی صرف ان دو کے ذکر پر اکتفاء کیا۔

متن :۔العِلْمُ ان کا اذْعَانًا للنسبةِ فتصديقٌ والا فتصَوُّرٌ ترجمہ : علم اگر نسبت کا اعتقاد ہو تو تصدیق ہے ورنہ تصور ہے

قولُه العلمُ هو الصورةُ الحاصِلَةُ من الشئِ عندَ العقلِ والمصنفُ لم يَتَعَرَّضْ لِتعريفِه اِمَّا للاكتفاءِ بالتصورِبوجهٍ مَّا فى مقامِ التقسيمِ واِمَّا لانَّ تعريفَ العلمِ مشهورٌ مستفِيضٌ واِمَّا لانَّ العِلْمَ بديهيُّ التصورِ على ماقِيلَ

ترجمہ :۔ مصنف کا قول العلم، علم وہ صورت ہے جو حاصل ہونے والی ہو کسی شئی سے عقل کے پاس، اور مصنف نے نہیں چھیڑا اس کی تعریف کو مقام تقسیم میں اس کے تصور بوجہ ما پر اکتفاء کرتے ہوئے اور یا اس لیے کہ علم کی تعریف مشہور ہے عام ہے، اور یا اس لیے کہ علم کا تصور بدیہی ہے جیسا کہ بعض نے کہا۔

﴿تشریح﴾ هو الصورة الخ :۔ یہاں سے علم کی تعریف کرتے ہیں کہ علم کہتے ہیں اس صورت کو جو عقل کے پاس کسی شئی سے حاصل ہونے والی ہو۔

والمصنف الخ :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ اس کی کیا وجہ کہ مصنف نے علم کی تعریف نہیں کی اور اس کی تقسیم میں شروع ہوگئے حالانکہ پہلے علم کی تعریف کرنی چاہیے تھی؟ اس کے تین جواب دیے (۱) یہ مقام مقام تقسیم ہے اور مقام تقسیم میں معرَّف کا تصور بوجہ ما (تھوڑا بہت خاکہ) کافی ہوتا ہے اور علم کا تصور بوجہ ما حاصل ہے، (۲) علم کی تعریف مشہور اور شائع ذائع ہے اس لیے تعریف نہیں کی (۳) بعض حضرات کے نزدیک علم بدیہی ہے اور بدیہی چیز کی تعریف نہیں کی جاتی۔

قولُه ان کانَ اذْعَاناً لِلنسْبةِ ای اعتقاداً للنسبَةِ الخبریةِ الثبوتیةِ کالاذعانِ بانَّ زیداقائمٌ اوالسلبیةِ کالاعتقادِ بانه لیْسَ بقائمٍ فقَدِ اختَارَ مذهبَ الحکماءِ حیثُ جَعَلَ التصدیقَ نفسَ الاذعانِ والحکمِ دونَ المجموعِ المرکبِ منه ومِنْ تصوُّرِ الطرفینِ کما زَعَمَه الامامُ الرازی واختَارَ مذهبَ القدماءِ حیثُ جَعَلَ متعلَّقَ الاذعَانِ والحکمِ الذی هو جزءٌ اخیرٌ للقضیةِ هو النسبةُ الخبریةُ الثبوتیةُ اوالسلبیةُ لاوقوعُ النسبةِ الثبوتیةِ التقییدیةِ اولاوقوعُها وسَیُشِیرُ الی تثلیثِ اجزاءِ القضیةِ فی مباحثِ القضَایا

ترجمہ : مصنف کا قول ان کان اذعانا،یعنی اگر علم نسبت خبریہ کا اعتقاد ہوخواہ ثبوتی ہوجیسے اس بات کا اعتقاد کہ زید قائم ہے یا سلبی ہوجیسے اس بات کا اعتقاد کہ وہ قائم نہیں ہے، پس اختیار کیا حکماء کے مذہب کواس طور پر بنایا تصدیق کونفس اذعان اور حکم نہ کہ مجموعہ جومرکب ہوحکم سے اور طرفین کے تصور سے جیسا کہ امام رازیؒ نے گمان کیا۔اوراختیار کیا قدماء کے مذہب کو چنانچہ بنایا اذعان اوراس حکم کا متعلق جوکہ قضیہ کا جزءاخیر ہوتا ہے،وہ نسبت خبریہ ثبوتیہ یاسلبیہ نہ کہ وقوع نسبت ثبوتیہ تقیید یہ یالاوقوع نسبت ،اورعنقریب اشارہ کریں گے قضیہ کے تین اجزاء کی طرف قضایا کی مباحث میں۔

﴿تشریح﴾ ای اعتقادا الخ :۔یہ متن کی وضاحت ہے،کہ علم دوحال سے خالی نہیں،یا تواس میں نسبت خبریہ کا اعتقاد ہوگا یا نہیں اگر ہوتو وہ تصدیق ہے اگر نہ ہوتو وہ تصور ہے، پھر نسبت خبریہ میں تعمیم ہے خواہ ثبوتیہ ہو یاسلبیہ ہو،ثبوتیہ ہوجیسے یہ اعتقاد کہ زید قائم ہے،اورسلبیہ ہوجیسے یہ اعتقاد کہ زید قائم نہیں ہے۔

فقد اختار الخ :۔یہاں سے ایک مسئلہ اختلافی میں ماھوالمختار عندالمصنف کو بیان کرتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ تصدیق کس چیز کا نام ہے،حکماء کہتے ہیں تصدیق نام ہے نفس اذعان اور حکم کا،جبکہ امام رازیؒ کہتے ہیں کہ تصدیق نام ہے حکم ،محکوم علیہ کے تصور اور محکوم بہ کے تصور کے مجموعے کا،مصنف نے حکماء کے مذہب کواختیار کیا اس لیے کہ مصنف نے نفس اذعان اور حکم کوتصدیق قرار دیا چنانچہ کہا ان کا اذعانا للنسبۃ فتصدیق۔

واختار الخ :۔یہاں سے بھی ایک مسئلہ اختلافی میں ماھوالمختار عندالمصنف کو بیان کرتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ اذعان کا متعلَّق کیا چیز ہے؟ متقدمین کہتے ہیں کہ اذعان کا متعلق نسبیت خبریہ ہے خواہ ثبوتیہ ہو یاسلبیہ ہو،جبکہ متاخرین کہتے ہیں کہ اذعان کا متعلق وقوع نسبت یالاوقوع نسبت ہے،مصنف نے متقدمین کے مذہب کواختیار کیا اوراذعان کا متعلق نسبت خبریہ کو بنایا چنانچہ کہا ان کان اذعاناللنسبۃ (اس میں غورکریں اذعان نسبت کا متعلَّق ہے اورللنسبت جارمجروراذعان کے متعلق ہورہا ہے)

وسیشیر الخ :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ ہوسکتا ہے مصنف نے متاخرین کے مذہب کو

اختیار کیا ہو وہ اس طرح کہ ہوسکتا ہے مصنف کے کلام میں نسبت مضاف الیہ ہو اس کا مضاف محذوف ہو جو کہ حال ہے، اصل میں عبارت یہ ہو ان کــا ن اذعــانـا لحـال النسبة، اور حال نسبت سے مراد وقوع نسبت یا لا وقوع نسبت ہے، تو اس طرح مصنف کی عبارت متاخرین کے مذہب کے مطابق ہو جائے گی؟ اس کا جواب دیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ اگر ایسا ہو تو مصنف کے کلام میں تعارض لازم آئیگا۔ وہ اس طرح کہ مصنف نے قضایا کی مباحث میں اشارہ کیا کہ قضیہ کے تین اجزاء ہوتے ہیں، اب اگر یہاں اذعان کا متعلّق وقوع نسبت یا لا وقوع نسبت کو بنائیں تو قضیہ کے چار اجزاء ہو جائیں گے، محکوم علیہ، محکوم بہ، نسبت خبریہ اور وقوع نسبت یا لا وقوع نسبت۔

قـولُـه والا فتـصـورٌ سـواءٌ کـانَ اِدرَاکًا لِامرٍ واحدٍ کتصورِ زیدٍ اولِامورٍ متعددةٍ بدونِ النسبةِ کتصورِ زیدٍ وعــمـروٍ اومع نسبةٍ غیرِ تامةٍ کتصورِ غلامِ زیدٍ اوتامةٍ انشائیةٍ کتصورِ اِضْرِبْ اوخبریةٍ مُدرَکَةٍ بادراکٍ غیرِ اذعانیٍ کمافی صورةِ التخییلِ والشکِّ والوهمِ

ترجمہ : مصنف کا قول والا فتصور، برابر ہے خواہ امر واحد کا ادراک ہو جیسے زید کا تصور یا امور متعددہ کا بغیر نسبت کے جیسے زید اور عمرو کا تصور یا نسبت غیر تامہ کے ساتھ ہو جیسے غلام زید کا تصور یا نسبت تامہ انشائیہ کے ساتھ ہو جیسے اضرب کا تصور یا نسبت تامہ خبریہ کے ساتھ ہو جو مدرک ہو غیر یقینی ادراک کے ساتھ جیسے تخییل، شک اور وہم کی صورت میں

﴿تشــریح﴾ سـواء الخ :۔ یہاں سے متن کی وضاحت کرتے ہیں کہ اگر نسبت خبریہ کا اذعان نہ ہو تو وہ تصور ہے، تصور کی کئی قسمیں ہیں، وہ اس طرح کہ یا تو امر واحد کا ادراک ہوگا یا امور متعددہ کا، اگر امر واحد کا ادراک ہو تو یہ ایک قسم ہے، جیسے زید کا تصور۔ اور اگر امور متعددہ کا ادراک ہو تو یا تو نسبت کے بغیر ہوگا یا نسبت کے ساتھ، اگر نسبت کے بغیر ہو تو یہ دوسری قسم ہے جیسے زید اور عمرو کا تصور۔ اگر امور متعددہ کا ادراک نسبت کے ساتھ ہو تو یا تو نسبت تامہ ہوگی یا غیر تامہ، اگر غیر تامہ ہو تو یہ ایک اور قسم ہے جیسے غلام زید کا تصور، اگر نسبت تامہ ہو تو یا نسبت انشائیہ ہوگی یا خبریہ، اگر انشائیہ ہو تو یہ ایک اور قسم ہے جیسے اضرب کا تصور اور اگر نسبت خبریہ ہو تو وہ نسبت اذعانی ہوگی یا غیر اذعانی، اگر غیر اذعانی ہو تو یہ ایک اور قسم ہے جیسے تخییل، شک اور وہم۔ اگر نسبت اذعانی ہو تو وہ تصدیق ہے۔ تخییل کہتے ہیں قضیہ کی صورت میں ذہن میں آنا بغیر تردد کے۔ اور شک کہتے ہیں نسبت کی صورت کا ذہن میں آنا درآں حالانکہ دونوں جانبیں اثبات اور نفی برابر ہوں، اور وہم کہتے ہیں کہ نسبت کی صورت کا ذہن میں آنا جبکہ جانب مخالف راجح ہو۔ پس اگر نسبت اثباتی ذہن میں آئے تو جانب مخالف نفی ہوگی اور نسبت نفی ذہن میں آئے تو جانب مخالف اثبات ہوگی۔

متن: ويقتَسِمَانِ بالضرورةِ الضرورةَ والاكتسابَ بالنظرِ

ترجمہ: اور یہ دونوں حصہ لیتے ہیں بداہتہ ضرورت اور اکتساب بالنظر سے

قوله ويقتسمانِ الاقتسامُ بمعنٰى اخذِ القسمةِ على مافى الاَسَاسِ اى يقتَسِمُ التصورُ والتصديقُ كلًّا من وصفَيِ الضرورةِ اى الحصولِ بلانظرٍ والاكتسابِ اى الحصولِ بالنظر فيَاخُذُ التصورُ قسمًا من الضرورةِفيصيرُ ضُرورياً وقسمًا من الكتابِ فيصِيْرُ كسبيًا وكذ الحالُ فى التصديقِ فالمَذكُورُ فى هذه العبارةِ صريحًا هو انقسامُ الضرورةِ والاكتسابِ ويُعْلَمُ انْقِسَامُ كُلٍ من التصورِ والتصديقِ الى الضروريِّ والكسبيّ ضِمنًا وكنايةً وهى ابلَغُ واحْسَنُ من الصَّريح

ترجمہ: مصنف کا قول ویقتسمان، الاقتسام اخذ القسمۃ کے معنی میں ہے جیسا کہ اساس میں ہے یعنی حصہ لیتے ہیں تصور اور تصدیق ہر دونوں وصفوں سے، ضرورت یعنی بغیر نظر کے حصول سے اور اکتساب یعنی حصول بالنظر سے، پس تصور حصہ لیتا ہے ضرورت سے تو وہ ضروری بن جاتا ہے اور حصہ لیتا ہے اکتساب سے تو وہ کسبی بن جاتا ہے، اور اسی طرح حال ہے تصدیق میں، پس وہ بات جو مذکور ہے عبارت میں صراحۃً، وہ ضرورت اور اکتساب کا منقسم ہونا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے تصور اور تصدیق میں سے ہر ایک کا انقسام ضروری اور کسبی کی طرف ضمنا اور کنایۃ اور یہ زیادہ بلیغ ہے اور اچھا ہے صریح سے

﴿تشریح﴾ الاقتسام الخ : ۔ یہاں سے بعض لوگوں پر رد کرتے ہیں، بعض نے کہا مصنف کی عبارت میں یقتسمان ینقسمان کے معنی میں ہے اور الضرورۃ والاکتساب بالنظر منصوب بنزع الخافض ہیں، (اصل میں یہ مجرور تھے، جار کو حذف کر کے ان کو نصب دے دی گئی) اصل میں عبارت یہ تھی ینقسمان بالضرورۃ الی الضرورہ والاکتساب بالنظر، تو شارح نے ان پر رد کر دیا کہ ایسی بات نہیں، یقتسمان اقتسام سے ماخوذ ہے اور یہ متعدی ہے جس کا معنی ہے اخذ القسمۃ، اور الضرورۃ والاکتساب مفعول بہ ہونے کی بناء پر منصوب ہیں۔

اى يقتسم الخ : ۔ یہاں سے متن کی وضاحت کرتے ہیں کہ مصنف کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ تصور اور تصدیق ضرورت اور اکتساب سے حصہ حاصل کرتے ہیں، تصور ضرورت سے حصہ حاصل کرتا ہے تو وہ ضروری بن جاتا ہے، اور تصور اکتساب سے حصہ حاصل کرتا ہے تو وہ کسبی بن جاتا ہے اسی طرح تصدیق ضرورت سے حصہ حاصل کرتی ہے تو وہ ضروری بن جاتی ہے، اسی طرح تصدیق اکتساب سے حصہ حاصل کرتی ہے تو وہ کسبی بن جاتی ہے

فالمذكور الخ :. یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ عام طور پر تصور اور تصدیق کی تقسیم کی جاتی ہے ضروری اور کسبی کی طرف، جبکہ یہاں مصنف نے ضروری اور کسبی کی تقسیم کی ہے، اس کی کیا وجہ؟ اس کا جواب دیا کہ اگر چہ صراحۃً تو یہاں ضروری

اور کسبی کی تقسیم ہے، لیکن ضمنا اور کنایۃً تصور اور تصدیق کی تقسیم ہے ضروری اور نظری کی طرف۔

وهی ابلغ الخ : ۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ مصنف نے تصور اور تصدیق کی تقسیم کو صراحۃً کیوں بیان نہیں کیا ضمنا اور کنایۃً کیوں بنایا؟ اس کا جواب ہے کہ کنایہ صریح سے زیادہ بلیغ اور اچھا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کنایہ سے بات ذہن میں زیادہ راسخ ہو جاتی ہے اس لیے مصنف نے تصور و تصدیق کی تقسیم کو کنایہ کے طور پر ذکر کیا۔

قوله بالضرورةِ اشارةٌ الی انَّ هذِه القسمةَ بدیهیةٌ لایُحتَاجُ الی تجشُّمِ الاستدلا لِ کما ارتَکَبَهُ القومُ وذالِک لانَّا اذا رجَعْنَا الی وجدانِنَا وَجَدْنَا من التصوُّرَاتِ ماهو حاصِلٌ لنا بلانظرٍ کتصورِ الحرارةِ والبرودةِ ومنها ما هو حاصِلٌ بالنظرِ والفکرِ کتصورِ حقیقةِ الملَکِ والجنّ وکَذَا من التَّصدِیقَاتِ مایحصُلُ بلانظرٍ کالتصدیقِ بانَّ الشمسَ مُشْرِقةٌ والنارَ مُحْرِقَةٌ ومنها ما یحصُلُ بالنظرِ کالتصدیقِ بانَّ العالَمَ حادِثٌ والصانِعَ موجودٌ

ترجمہ : مصنف کا قول بالضرورۃ، اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ تقسیم بدیہی ہے محتاج نہیں ہے استدلال کے تکلف کی طرف جیسا کہ قوم نے ارتکاب کیا ہے اور وہ اس لیے کہ جب ہم رجوع کرتے ہیں اپنے وجدان کی طرف تو ہم پاتے ہیں بعض تصورات کو وہ حاصل ہونے والے ہوتے ہیں ہمیں بغیر نظر کے جیسے گرمی اور سردی کا تصور اور بعض وہ ہیں جو حاصل ہیں نظر کے ساتھ جیسے فرشتہ اور جن کی حقیقت کا تصور، اور اسی طرح تصدیقات میں میں سے بعض وہ ہیں جو حاصل ہوتے ہیں بغیر نظر کے جیسے اس بات کی تصدیق کہ سورج چمکدار ہے اور آگ جلانے والی ہے اور بعض وہ ہیں جو حاصل ہوتے ہیں نظر کے ساتھ جیسے اس بات کی تصدیق کہ عالم حادث ہے اور صانع موجود ہے

تشریح **اشارة الخ** : ۔ یہاں سے بالضرورۃ کا فائدہ بیان کرتے ہیں کہ بالضرورۃ اس لیے کہا تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ تصور و تصدیق کی یہ تقسیم بدیہی ہے نظری نہیں، اس لیے کہ جب ہم اپنے وجدان کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بعض تصورات ہمیں بغیر نظر کے حاصل ہو جاتے ہیں اور بعض نظر کے ساتھ، بغیر نظر کے جیسے گرمی اور سردی کا تصور اور نظر کے ساتھ جیسے فرشتے اور جن کی حقیقت کا تصور، اسی طرح بعض تصدیقات ہمیں بغیر نظر کے حاصل ہو جاتے ہیں اور بعض نظر کے ساتھ، بغیر نظر کے جیسے اس بات کی تصدیق کہ سورج روشن ہے اور آگ جلانے والی ہے، اور نظر کیساتھ جیسے اس بات کی تصدیق کہ عالم حادث ہے اور صانع موجود ہے۔

قوله وهو ملاحظةُ المعقولِ ای النظرُ توجهُ النفسِ نحوَ الامرِ المعلومِ لتحصیلِ امرٍ غیرِ معلومٍ وفی العُدولِ عن لفظِ المعلومِ الی المعقولِ فوائدُ منها التحرُّزُ عن استعمالِ اللفظِ المشترکِ فی التعریفِ

ومنہا التنبیهُ علی انَّ الفکرَ انما یجریُ فی المعقولاتِ ای الامورِ الکلیةِ الحَاصِلَةِ فی العقلِ دونَ الامورِ الجزئیةِ فان الجزئیَّ لایکونُ کاسِباً و لامُکتَسَبًا و منها رعایةُ السجعِ

ترجمہ :۔ مصنف کا قول ملاحظۃ ،یعنی نظر نفس کو متوجہ کرنا ہے امر معلوم کی طرف امر غیر معلوم کو حاصل کرنے کے لیے اور لفظ معلوم سے معقول کی طرف عدول کرنے میں فوائد ہیں ،ان میں سے ایک بچنا ہے لفظ مشترک کے استعمال سے تعریف میں ،اور ان میں سے ایک تنبیہ کرنا ہے اس بات پر کہ فکر نہیں ہے سوائے اس کے کہ جاری ہوتی ہے معقولات یعنی امور کلیہ میں جو حاصل ہونے والے ہیں عقل میں نہ کہ امور جزئیہ میں اس لیے کہ جزئی نہ کاسب ہوتی ہے اور نہ مکتسب ،اور ان میں سے ایک سجع کی رعایت ہے۔

﴿تشریح﴾ ای النظر الخ :۔ یہ متن کی وضاحت ہے کہ ملاحظہ کا معنی ہے نفس کو متوجہ کرنا ،اور معقول سے مراد امر معلوم ہے اور مجہول سے مراد امر غیر معلوم ہے ،نظر کی تعریف یہ ہے کہ نفس کو امر معلوم کی طرف متوجہ کرنا تا کہ امر غیر معلوم کو حاصل کیا جا سکے

وفی العدول الخ :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ مصنف نے نظر کی مشہور تعریف سے عدول کیوں کیا ،مشہور تعریف میں معقول کی جگہ معلوم کا لفظ ہے۔اس کا جواب دیا کہ مصنف نے معلوم سے معقول کی طرف عدول کیا تین وجہوں سے (۱) علم لفظ مشترک ہے کیونکہ اس کے دو معنی ہیں ،ایک ہے الصورة الحاصلہ من الشئی عند العقل اور دوسرا معنی ہے اعتقاد جازم جو واقع کے مطابق ہو ،جب علم مشترک ہے تو معلوم بھی لفظ مشترک ہوا ،اور تعریفات میں مشترک لفظ کو ذکر کرنا صحیح نہیں ہوتا۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ تا کہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ نظر و فکر معقولات یعنی امور کلیہ میں جاری ہوتی ہے جزئیات میں جاری نہیں ہوتی اس لیے کہ جزئی نہ کاسب ہوتی ہے اور نہ مکتسب (یعنی جزئی کے ذریعہ نہ تو کسی چیز کا علم ہو سکتا ہے اور نہ جزئی خود معلوم سکتی ہے ،بالفاظ دیگر جزئی نہ معرِّف بن سکتی ہے اور نہ معرَّف)اس لیے معلوم کی جگہ معقول کا لفظ ذکر کیا۔(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ تا کہ سجع کی رعائت ہو جائے یعنی کلمات (معقول اور مجہول) کا آخر ایک جیسا ہو جائے۔

متن:**وقد یَقَعُ فیه الخطأُ فاحتِیُجَ الی قانونٍ یعصِمُ عنه فی الفکرِ وهو المَنْطقُ**

ترجمہ : اور کبھی اس میں غلطی واقع ہو جاتی ہے پس ضرورت ہوئی ایسے قانون کی جو اس سے بچائے فکر میں اور وہ منطق ہے۔

قوله فیه الخطاءُ بدلیلِ انَّ الفکرَ قد ینتَهِی الی نتیجةٍ کحدوثِ العالمِ وقد یَنتهِی الی نقیضِها کقِدَمِ العالَمِ فاحدُ الفکر ینِ خطاءٌ حینئذ لامحالةَ والالَزِمَ اجتماعُ النقیضینِ فلا بدَّ من قاعدةٍ کلیةٍ لو رُوعِیَتْ لم یَقَعُ فیه الخطاءُ فی الفکرِ وهی المنطقُ

ترجمہ :مصنف کا قول فیہ الخطاء، اس دلیل کے ساتھ کہ فکر کبھی انتہاء کو پہنچتی ہے ایک نتیجے مثلا حدوث عالم کی طرف، اور کبھی انتہاء کو پہنچتی ہے اس کی نقیض مثلا عالم کے قدیم ہونے کی طرف، پس دو فکروں میں ایک فکر غلط ہے اس وقت یقیناً، ورنہ لازم آئیگا اجتماع نقیضین پس ضروری ہے ایک قاعدہ کلیہ کہ اگر اس کی رعایت کی جائے تو اس میں غلطی واقع نہ ہو فکر میں، وہ وہ منطق ہے۔

﴿تشریح﴾ بدلیل الخ :۔مصنف کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ نظر میں کبھی غلطی واقع ہوجاتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک منطقی نظر کرتا ہے وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ عالم حادث ہے اس لیے کہ عالم متغیر ہے اور ہر متغیر حادث ہے۔اور دوسرا منطقی نظر وفکر کرتا ہے اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ عالم قدیم ہے اس لیے کہ عالم موثر سے مستغنی ہے اور ہر وہ چیز جو موثر سے مستغنی ہو وہ قدیم ہوتی ہے۔ان دو فکروں میں ایک فکر یقیناً غلط ہے کیونکہ اگر دونوں صحیح ہوں تو اجتماع نقیضین لازم آئیگا کہ عالم حادث بھی ہو اور قدیم بھی، اور اجتماع نقیضین باطل ہے، پس ضرورت ہوئی ایک ایسے قانون کی کہ اگر اس کی رعایت رکھی جائے تو انسان نظر وفکر میں واقع ہونے والی غلطی سے بچ جائے، وہ قانون منطق ہے۔

فقَدْ ثَبَتَ احتیاجُ الناسِ الی المنطقِ فی العصمةِ عنِ الخطاءُ فی الفکرِ بثلثِ مُقدَّماتٍ الاولٰی انَّ العلمَ اِمَّا تصورٌ اوتصدیقٌ والثانیةُ انَّ کلاًّمنهما اِمَّا ان یَحصُلَ بلانظرٍ اویحصلَ بالنظرِ والثالثةُ انَّ النظرَ قدیقَعُ فیه الخطأُ فهذه المقدماتُ الثلثُ تُفِیْدُ احتیاجَ الناسِ فی التحرزِ عن الخطاِ فی الفکرِ الی قانونٍ وذالک هو المنطِقُ عُلِمَ من هذا تعریفُ المنطقِ بانَّه قانونٌ یَعصِمُ مراعاتُها الذهنَ عن الخطاِ فی الفکرِ فههُنا عُلِمَ امرانِ من الامورِ الثلاثِ التی وُضِع المقدمةُ لِبیانِها بقیَ الکلامُ فی الامرِ الثالثِ وهو تحقیقُ انَّ موضوعَ علمِ المنطقِ ماذا فاشارَا الیه بقولِه وموضوعُه الخ

ترجمہ: پس تحقیق ثابت ہوگیا لوگوں کا محتاج ہونا منطق کی طرف فکر میں غلطی سے بچنے کے لیے تین مقدمات کے ساتھ پہلا مقدمہ یہ ہے کہ علم یا تصور ہوگا یا تصدیق، دوسرا یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک یا تو حاصل ہوگا بغیر نظر کے یا حاصل ہوگا نظر کے ساتھ اور تیسرا یہ ہے کہ نظر میں کبھی غلطی واقع ہوجاتی ہے پس یہ تین مقدمات فائدہ دیتے ہیں لوگوں کے محتاج ہونے کا خطا فی الفکر سے بچنے میں ایک قانون کی طرف اور وہ منطق ہے اس سے معلوم ہوگئی منطق کی تعریف کہ وہ ایسا قانون ہے جس کی رعایت کرنا بچاتا ہے فکر میں غلطی سے پس یہاں دو امر معلوم ہوگئے تین امور میں سے کہ مقدمہ وضع کیا گیا جن کو بیان کرنے کے لیے باقی رہ گیا کلام تیسرے امر میں وہ تحقیق ہے اس بات کہ علم منطق کا موضوع کیا ہے پس اشارہ کیا اس کی طرف اپنے اس قول وموضوعہ سے۔

﴿تشریح﴾ فقد ثبت الخ : ۔یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ یہ مقدمہ ہے مصنف کو چاہیے تھا کہ مقدمے میں تعریف منطق،

حاجت منطق اور موضوع منطق کو بیان کرتے ، کیا وجہ کہ مصنف اور باتوں میں شروع ہو گئے؟ اس کا جواب دیا کہ حاجت منطق موقوف ہے تین مقدمات پر (۱) علم یا تو تصور ہوگا یا تصدیق (۲) تصور وتصدیق ہر ایک کی دو قسمیں ہیں بدیہی اور نظری (۳) نظر وفکر میں کبھی غلطی بھی واقع ہو جاتی ہے چونکہ حاجت منطق ان تین مقدمات پر موقوف تھی اس لیے کہ مصنف نے مقدمے میں یہ تین مقدمات ذکر کر دیئے۔

علم من هذا الخ :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ کیا وجہ کہ مصنف نے حاجت منطق اور موضوع منطق کو بیان کیا لیکن منطق کی تعریف ذکر نہیں کی؟ اس کا جواب دیا کہ حاجت منطق کے بیان میں تعریف منطق خود بخود معلوم ہوگئی وہ اس طرح کہ جب کہا نظر میں غلطی ہو جاتی ہے لہذا لوگوں کو ضرورت ہے ایک ایسے قانون کی کہ اگر اس کی رعایت رکھی جائے تو انسان نظر کی غلطی سے بچ سکتا ہے اور وہ قانون منطق ہے تو اس سے منطق کی تعریف معلوم ہوگئی کہ منطق وہ قانون ہے جس کی رعایت رکھنا نظر وفکر میں واقع ہونے والی غلطی سے بچاتا ہے۔

فههنا الخ :۔ یہاں سے مصنف کے قول وہوالمنطق اور وموضوعہ کے درمیان ربط بتاتے ہیں کہ امور ثلاثہ میں سے دو امر معلوم ہو گئے ایک منطق کی تعریف اور ایک منطق کی حاجت ، باقی تیسرا امر رہ گیا کہ منطق کا موضوع کیا ہے؟ تو مصنف اس کی طرف اپنے قول وموضوعہ سے اشارہ کر رہے ہیں۔

قولُه القانونُ لفظٌ يونانيٌ اوسريانيٌ موضوعٌ فى الاصلِ لِمِسْطَرِ الكُتَّابِ وفى الاصطلاحِ قضيةٌ كليةٌ يتَعَرَّفُ منها احكامُ جزئياتِ موضوعِها كقولِ النحاةِ كلُّ فاعلٍ مرفوعٌ فانَّه حكمٌ كليٌّ يُعلَمُ منه احوالُ جزئياتِ الفاعلِ

ترجمه: مصنف کا قول قانون ، قانون یونانی یا سریانی لفظ ہے ، جو موضوع ہے اصل میں کتاب کے سطر کھینچنے کے آلہ کے لیے اور اصطلاح میں وہ ایسا قضیہ کلیہ ہے جس سے اس کے موضوع کی جزئیات کے احکام معلوم ہوتے ہیں جیسے نحویوں کا قول کل فاعل مرفوع ، اس لیے کہ یہ حکم کلی ہے جس سے معلوم ہوتے ہیں فاعل کی جزئیات کے احوال

﴿تشریح﴾ القانون الخ :۔ قانون کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کرتے ہیں کہ قانون یونانی یا سریانی زبان کا لفظ ہے ، یہ اصل میں موضوع ہے خط کھینچنے والے آلے کے لیے جو کاتب استعمال کرتے ہیں اور اصطلاح میں قانون اس قضیہ کلیہ کو کہتے ہیں جس سے اس قضیہ کے موضوع کی جزئیات کے احوال معلوم کیے جا سکیں ، جیسے کل فاعل مرفوع ایک قانون ہے ، اس سے فاعل کی جزئیات کے احکام معلوم کیے جاتے ہیں ، حکم معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس جزئی کا حکم معلوم کرنا مقصود ہو اس کو موضوع (مبتدا) بنا دیا جائے ، اور قضیہ کلیہ کے موضوع کو محمول (خبر) بنا دیا جائے ، یہ صغری ہو جائیگا اور قضیہ کلیہ کو کبری بنا دیا جائے ، جو

نتیجہ ہوگا وہ اس جزئی کا حکم ہوگا۔مثلاً ضرب زید میں زید کا حکم معلوم کرنا ہوتو زید کو موضوع بنادیں اور قضیہ کلیہ کے موضوع (فاعل) کو محمول بنادیں ،اور کہیں زید فاعل ، یہ صغری ہوگیا ،اور قضیہ کلیہ کو کبری بنائیں ،اوکہیں زید فاعل وکل فاعل مرفوع ،نتیجہ ہوگا زید مرفوع ، یہ زید کا حکم ہے۔

متن :وموضوعُه المعلومُ التصوريُّ والتصديقيُّ من حيثُ انه يُوصِلُ الى مطلوبٍ تصوريٍ فيُسمّٰى معرِّفًا اوتصديقيٍ فيسمّٰى حُجَّةً

ترجمہ : اوراس کا موضوع معلوم تصور اور معلوم تصدیق ہے اس حیثیت سے وہ پہنچائے مطلوب تصور تک پس اس کا نام رکھا جاتا ہے معرف ، یا معلوم تصدیق تک ، پس اس کا نام رکھا جاتا ہے حجت ۔

قوله وموضوعُه موضوعُ العلمِ مايُبحَثُ فيه عن عوارضِه الذاتيةِ والعرضُ الذاتيُّ مايَعرِضُ لِلشئيِ اِمَّا اولًا وبالذاتِ كالتعجُّبِ اللاحقِ للانسانِ من حيثُ اَنّه انسانٌ واِماًّ بواسطةِ امرٍ مُسَاوٍ لِذالكَ الشئيِ كالضِّحكِ الذى يَعرِضُ حقيقةً للمتَعَجّبِ ثم يُنسَبُ عروضُه الى الانسانِ بالعرضِ والمجازِ فافهَمْ

ترجمہ: مصنف کا قول وموضوعہ ،علم کا موضوع وہ چیز ہے جس میں اس کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جائے ۔اورعرض ذاتی وہ چیز ہے جو شئی کو عارض ہو یا اولا اور بالذات جیسے تعجب جو لاحق ہوتا ہے انسان کو اس حیثیت سے کہ وہ انسان ہے اور یا اس شئی کے امر مساوی کے واسطے سے جیسے ضحک جو عارض ہوتا ہے متعجب کی حقیقت کو پھر منسوب ہوتا ہے اس کا عروض انسان کی طرف عرض اور مجاز کے ساتھ ۔پس سمجھ لے۔

﴿تشریح﴾ **موضوع العلم الخ**:. موضوع کی تعریف کرتے ہیں کہ کسی علم کا موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جائے ، والعرض الذاتی سے عرض ذاتی کی تعریف کی کہ عرض ذاتی وہ چیز ہے جو کسی کو عارض ہو اس کی ذات کی وجہ سے یا اس شئی کے امر مسای کے واسطہ سے ، ذات کی وجہ سے عارض ہو اس کی مثال جیسے تعجب انسان کے لیے عرض ذاتی ہے اس لیے کہ یہ انسان کو عارض ہوتا ہے اس کی ذات کی وجہ سے ، درمیان میں کسی چیز کا واسطہ نہیں ہوتا۔اورامر مساوی کے واسطہ سے عارض ہو اس کی مثال جیسے ضحک (ہنسا) یہ انسان کو عارض ہوتا ہے تعجب کے واسطے سے اور تعجب انسان کا امر مساوی ہے۔

قولُه المعلومُ التصوريُّ اِعْلَمْ انَّ موضوعَ المنطقِ هو المعرِّفُ والحجةُ اَمَّا المعرفُ فهو عبارةٌ عن المعلومِ التصوريّ لكنْ لا مطلقًابل من حيثُ انه يُوصِلُ الى مجهولٍ تصوريٍ كالحيوانِ الناطقِ المُوصِلِ الى تصورِ الانسانِ واَمَّا المعلومُ التصوريُّ الذى لايُوصِلُ الى مجهولٍ تصوريٍ فلا يُسَمّٰى مُعرِّفًا

والمنطقیُّ لایَبْحَثُ عنه کالامورِ الجزئیةِ المعلومةِ من زیدٍ وعمروٍ واَمَّا الحجةُ فهی عبارةٌ عنِ المعلومِ التصدیقیّ لکن لامطلقًا ایضا بل من حیثُ انه یُوصِلُ الی مطلوبٍ تصدیقیٍ کقولنا العالَمُ متغیرٌ وکلُّ متغیرٍ حادثٌ الموصلِ الی التصدیقِ بقولنا العالَمُ حادثٌ وامَّا ما لایُوصِلُ کقولِنا النارُ حارَّةٌ مثلًا فلیسَ بحجةٍ والمنطقیُّ لایَنْظُرُ فیه بل یَبْحَثُ عن المُعَرِّفِ والحجةِ من حیثُ انَّهما کیفَ یَنبَغِی ان یُترَتَّبا حتّٰی یُوصِلا الی مجهولٍ

ترجمہ: مصنف کا قول المعلوم التصوری، جان تو کہ منطق کا موضوع وہ معرف اور حجت ہے بہر حال معرف تو وہ عبارت ہے معلوم تصوری سے لیکن مطلقا نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ پہنچاتا ہے مجہول تصور تک جیسے حیوان ناطق جو پہنچانے والا ہے انسان کے تصور تک، اور بہر حال وہ معلوم تصور جو نہ پہنچائے مجہول تصور تک تو اس کا نام معرف نہیں رکھا جاتا اور منطقی اس سے بحث نہیں کرتا جیسے امور جزئیہ مثلا زید اور عمر و اور بہر حال حجت پس وہ عبارت ہے معلوم تصدیق سے لیکن یہ بھی مطلقا نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ پہنچائے مطلوب تصدیق تک، جیسے ہمارا قول عالم متغیر ہے اور ہر متغیر حادث ہے یہ موصل ہے ہمارے اس قول کی تصدیق تک کہ عالم حادث ہے۔ اور بہر حال وہ جو موصل نہ ہو جیسے ہمارا قول آگ گرم ہے تو یہ حجت نہیں اور منطقی اس میں نظر نہیں کرتا بلکہ وہ بحث کرتا ہے معرف اور حجت سے اس حیثیت سے کہ وہ دونوں کیسے مناسب ہے کہ ان کو ترتیب دی جائے حتی کہ وہ پہنچادیں مجہول تک۔

﴾تشریح﴿ **اعلم الخ** :۔ یہاں سے منطق کا موضوع بیان کرتے ہیں کہ منطق کا موضوع معرف اور حجت ہیں۔ معرف کی تعریف یہ ہے کہ معرف معلوم تصور کو کہتے ہیں لیکن مطلقا نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ معلوم تصور مجہول تصور تک پہنچادے۔ جیسے حیوان ناطق معرف ہے اس لیے کہ یہ انسان جو کہ مجہول ہے، تک پہنچانے والا ہے۔ اور وہ معلوم تصور جو مجہول تصور تک نہ پہنچائے، وہ معرف نہیں اور منطقی اس سے بحث بھی نہیں کرتا جیسے امور جزئیہ مثلا زید عمر و وغیرہ۔

واما الحجة الخ : . یہاں سے حجت کی تعریف کرتے ہیں، حجت معلوم تصدیق کو کہتے ہیں، لیکن یہ بھی مطلقا نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ مجہول تصدیق تک پہنچانے والی ہے جیسے العالم متغیر وکل متغیر حادث، یہ معلوم تصدیق ہے جو العالم حادث تک پہنچانے والی ہے جو کہ مجہول ہے۔ وہ معلوم تصدیق جو مجہول تصدیق تک نہ پہنچائے وہ حجت نہیں جیسے النار حارة اور منطقی اس سے بحث بھی نہیں کرتا۔

قولُه مُعَرِّفًا لانَّه یَتَعَرَّفُ ویُبَیِنُ المجهولَ التصوریَّ قولُه حجةٌ لانَّها تَصیرُ سَبَبًا لِلْغَلَبةِ علی الخَصْمِ والحجَّةُ فی اللغةِ الغلبةُ فهذا مِنْ قبیلِ تسمیةِ السَّبَبِ بِاسمِ المُسَبِّبِ

ترجمہ: مصنف کا قول معرفا، اسلیے کہ یہ پہچان کراتا ہے اور بیان کرتا ہے مجہول تصور کو، مصنف کا قول حجۃ، اس لیے کہ یہ بن جاتا ہے سبب خصم پر غالب آنے کا پس یہ تسمیۃ السبب باسم المسبب کی قبیل سے ہے

﴿تشریح﴾ لانه یعرف الخ :یہ معرف کی وجہ تسمیہ ہے، معرف کا معنی ہے پہچان کرانے والا، چونکہ وہ معلوم تصور جو موصل ہو وہ بھی مجہول تصور کی پہچان کراتا ہے اس لیے اس کو معرف کہتے ہیں

قوله حجة الخ :۔ یہ حجت کی وجہ تسمیہ ہے، حجت کا معنی ہے غلبہ، وہ معلوم تصدیق جو موصل ہو اس کے سبب سے بھی انسان اپنے فریق مخالف پر غلبہ پالیتا ہے (پس ایسی معلوم تصدیق سبب ہوئی) اس لیے اس کو حجت کہتے ہیں تسمیہ السبب باسم المسبب کی قبیل سے۔یعنی جو نام مسبب کا تھا وہ سبب کا رکھ دیا گیا۔

متن: **دلالةُ اللفظِ علی تمامِ ما وُضِعَ له مطابقةٌ وعلی جزءِ ہ تضمُّنٌ وعلی الخارِجِ التزامٌ**

ترجمہ:۔لفظ کی دلالت اپنے تمام موضوع لہ پر مطابقۃ ہے، اور اس کے جزء پر تضمن ہے اور خارج پر التزامی ہے۔

قولُه دلالةُ اللفظِ قد عَلِمْتَ انَّ نظرَ المنطقيّ بالذاتِ انَّما هو فی المُعَرِّفِ والحجةِ وهما من قبیلِ المعانِی لاالالفاظِ الاانَّه کمایتَعَارَف ذِکْرُ الحدِّ والغائةِ والموضوعِ فی صدرِ کتُبِ المنطقِ لِیُفِیدَ بصیرةً فی الشروعِ کذالک یَتَعَارَفُ ایرادُ مباحِثِ الالفاظِ بعدَ المقدمةِ لیُعینَ علی الافادةِ والاستفادةِ وذالک بانْ یبینَ معانِی الالفاظِ المُصطَلَحةِ المستَعْمَلةِ فی محاوراتِ اهل هذ العلمِ مِنَ المفردِ والمرکبِ والکليِّ والجزئيِّ والمُتَوَاطِی والمُشَکِّکِ وغیرِها فالبحثُ عَنِ الالفاظِ من حیثُ الافادةِ والاستِفَادَةِ وهما انَّما یَکونَانِ بالدلالةِ فلذابَدَءَ بذکرِها

ترجمہ: مصنف کا قول دلالۃ اللفظ، تو تحقیق جان چکا ہے کہ منطقی کی نظر بالذات نہیں ہے سوائے اس کے کہ معرف اور حجت میں ہوتی ہے اور یہ دونوں معانی کی قبیل سے ہیں نہ کہ الفاظ کی قبیل سے مگر یہ کہ جس طرح مشہور ہے تعریف، غرض اور موضوع کو ذکر کرنا منطق کی کتابوں کے شروع میں تا کہ فائدہ دے شروع کرنے میں بصیرت کا اسی طرح متعارف ہے مقدمہ کے بعد الفاظ کی مباحث کو ذکر کرنا تا کہ مددگار ہو افادے اور استفادے پر اور وہ بایں طور کہ بیان کیے جائیں الفاظ اصطلاحی کے معانی جو استعمال ہوتے ہیں اس علم والوں کے محاورات میں یعنی مفرد، مرکب، کلی، جزئی، متواطی اور مشکک وغیرہ پس الفاظ سے بحث کرنا افادہ اور استفادہ کی حیثیت سے ہے اور یہ دونوں دلالت کے ساتھ ہوتے ہیں پس اسی لیے شروع کیا اس کے ذکر کے ساتھ۔

﴿تشریح﴾ قدعلمت الخ :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ منطقی کی نظر معرف اور حجت پر ہوتی ہے، اور معرف اور حجت

معانی کی قبیل سے ہیں نہ کہ الفاظ کی قبیل سے، تو مصنف الفاظ اور دلالت کی بحث میں کیوں شروع ہو گئے؟ اس کا جواب دیا کہ جس طرح منطق کی کتابوں کے شروع میں منطق کی تعریف، غرض اور موضوع کو بیان کیا جاتا ہے تا کہ شروع فی العلم میں بصیرت حاصل ہو جائے اس طرح مقدمہ کے بعد الفاظ کی مباحث بھی ذکر کر دی جاتی ہیں تا کہ افادہ اور استفادہ میں مدد حاصل ہو جائے، وذالک سے افادہ اور استفادہ کی صورت بیان کی کہ افادہ اور استفادہ اس طرح ہوتا ہے کہ الفاظ اصطلاحیہ جیسے مفرد، مرکب وغیرہ کے معانی ذکر کر دیے جاتے ہیں پس الفاظ سے بحث اس حیثیت سے ہوتی ہے کہ ان کے ذریعہ افادہ اور استفادہ ہوتا ہے۔

وھما انمایکونان الخ :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ الفاظ سے بحث کرنے کی وجہ سے تو سمجھ میں آ گئی لیکن مصنف نے دلالت کی بحث کیوں ذکر کی؟ اس کا جواب دیا کہ الفاظ سے افادہ اور استفادہ دلالت کے ذریعہ ہی ہوتا ہے اس لیے دلالت کی بحث کو ذکر کیا۔

وھِیَ کونُ الشئیِ بحیثُ یَلْزَمُ من العِلمِ به العلمُ بشئیٍ آخَرَ والاوَّلُ ھو الدَّالُ والثانِی ھو المَدلُولُ والدالُّ اِنْ کانَ لفظاً فالدلالۃُ لفظیۃٌ والا فغیرُ لفظیۃٍ وکلٌّ منھما اِنْ کانَ بسَبَبِ وضعِ الواضعِ فالدلالۃُ وضعیۃٌ کدلالۃِ لفظِ زیدٍ علی ذاتِہ ودلالۃِ الدَّوَالِ الاربَعِ علی مدلولاتِھا وان کان بسببِ اقتضاءِ الطبعِ حدوثُ الدالِّ عند عروضِ المدلولِ فطبعیۃٌ کدلالۃِ اُحْ اُحْ علی وجعِ الصدرِ ودلالۃِ سُرعۃِ النبضِ علی الحمّٰی وان کان بسببِ اِمرٍ غیرِ الوضعِ والطبعِ فالدلالۃُ عقلیۃٌ کدلالۃِ لفظ دیزٍ المسموعِ من وراءِ الجدارِ علی وجودِ اللافظِ کدلالۃِ الدخانِ علی النارِ فاقسامُ الدلالۃِ ستۃٌ

ترجمہ: اور وہ دلالت شئی کا اسطور پر ہونا ہے کہ لازم ہو اس کے علم سے دوسری شئی کا علم، پہلی شئی وہ دال ہے اور دوسری مدلول، اور دال اگر لفظ ہو تو دلالۃ لفظیہ ہے ورنہ پس غیر لفظیہ۔ اور ان میں سے ہر ایک اگر ہو واضع کے وضع کے سبب سے تو دلالۃ لفظیہ ہے جیسے لفظ زید کی دلالت اس کی ذات پر اور دوال اربع کی دلالت ان کے مدلولات پر اور اگر ہو طبیعت کے اقتضاء کے سبب سے دال کا پیدا ہونا مدلول کے پیش آنے کے وقت تو طبعیہ ہے جیسے اح اح کی دلالت سینے کے درد پر اور نبض کی تیزی کی دلالت بخار پر اور اگر ایسے امر کے سبب سے ہو جو وضع اور طبع کا غیر ہو تو دلالت عقلیہ ہے جیسے لفظ دیز کی دلالت جو سنائی دے دیوار کے پیچھے سے بولنے والے کے وجود پر جیسے دھویں کی دلالت آگ پر پس دلالت کی اقسام چھ ہیں۔

﴿تشریح﴾ وھی کون الخ :۔ یہاں سے دلالت کی تعریف کرتے ہیں کہ دلالت کہتے ہیں کسی شئی کا اس طرح ہونا اس کے شئی کے علم سے دوسری شئی کا علم لازم ہو، پہلی شئی کو دال اور دوسری کو مدلول کہتے ہیں کہ پھر دلالت کی دو قسمیں ہیں، دلالت

لفظیہ دلالت غیر لفظیہ، دال اگر لفظ ہوتو دلالت لفظیہ ہے اور اگر دال غیر لفظ ہوتو دلالت غیر لفظیہ ہیں۔

وکل منهما الخ:۔ یہاں سے دلالت کی اقسام بیان کرتے ہیں کہ دلالت کی کل چھ قسمیں ہیں، وہ اسطرح کہ دلالت خواہ لفظیہ ہو یا غیر لفظیہ، یا تو دلالت واضع کی وضع کے سبب ہوگی، یا طبعیت کے اقتضاء کے سبب ہوگی یا ایسے امر کے سبب سے ہوگی جو نہ کہ وضع ہو نہ طبع، اگر دلالت واضع کی وضع کے سبب سے ہو یعنی دال کو مدلول کے لیے متعین کرنے کے سبب سے ہو وہ دلالت وضعیہ ہے، دلالت لفظیہ وضعیہ کی مثال جیسے زید کی دلالت ذات زید پر، اور دلالت غیر لفظیہ وضعیہ کی مثال جیسے دوال اربع (عقود، خطوط، نصب اور اشارات) کی دلالت اپنے مدلولات پر، اور اگر دلالت طبعیت کے اقتضاء کے سبب سے ہو یعنی طبیعت اس بات کا تقاضہ کرتی ہو کہ مدلول کے پیش آنے کے وقت دال پیدا ہو تو وہ دلالت طبعیہ ہے، دلالت لفظیہ طبعیہ کی مثال جیسے اح اح کی دلالت سینے کے درد پر اور غیر لفظیہ طبعیہ کی مثال جیسے نبض کی تیزی کی دلالت بخار پر۔ اور اگر دلالت ایسے امر کے سبب سے ہو جو نہ وضع ہو نہ طبع تو وہ دلالت عقلیہ ہے، دلالت لفظیہ عقلیہ کی مثال جیسے لفظ دیز جو دیوار کے پیچھے سے سنائی دے، اس کی دلالت بولنے والے کے وجود پر، اور دلالت غیر لفظیہ عقلیہ کی مثال جیسے دھویں کی دلالت آگ پر۔

فالمقصودُ بالبحثِ ههنا هي الدلالةُ اللفظيةُ الوضعيةُ اِذْ عليها مدارُ الافادةِ والاستفادةِ وهي تَنْقَسِمُ الى مطابقةٍ وتضمنٍ والالتزامِ لان دلالةَ اللفظِ بسببِ وضعِ الواضعِ اِمَّا على تمامِ الموضوعِ له اوجزءِ ه اوعلى امرٍ خارجٍ عنه

ترجمہ: پس بحث سے مقصود یہاں پر وہ دلالت لفظیہ وضعیہ ہے اس لیے کہ اسی پر مدار ہے افادہ اور استفادہ کا اور وہ منقسم ہوتی ہے مطابقۃ، تضمن اور التزام کی طرف اس لیے کہ لفظ کی دلالت جو واضع کی وضع کے سبب سے ہو یا موضوع کے کل پر ہوگی یا اس کے جزء پر یا اس کے امر خارج پر۔

﴿تشریح﴾ فالمقصود الخ:۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ جب دلالت کی چھ قسمیں ہیں تو مصنف نے فقط دلالت لفظیہ وضعیہ سے ہی کیوں بحث کی؟ اس کا جواب دیا کہ افادہ اور استفادہ کا مدار دلالت لفظیہ وضعیہ پر ہے اس لیے مصنف نے فقط دلالت لفظیہ وضعیہ کی بحث ذکر کی۔

وهي تنقسم الخ:۔ یہاں سے دلالت لفظیہ وضعیہ کی تقسیم کرتے ہیں کہ اس کی تین قسمیں ہیں، دلالت مطابقہ، دلالت تضمن اور دلالت التزام۔ وجہ حصر یہ ہے کہ وضع واضع کے سبب سے لفظ کی دلالت یا تو پورے معنی موضوع لہ پر ہوگی یا معنی موضوع لہ کے جزء پر ہوگی یا موضوع لہ کے لازم پر ہوگی، اگر لفظ کی دلالت پورے معنی موضوع لہ پر ہو تو وہ دلالت مطابقی ہے، جیسے انسان کی دلالت حیوان ناطق کے مجموعے پر، اور اگر لفظ کی دلالت موضوع لہ کے جزء پر ہو تو وہ دلالت تضمنی ہے جیسے انسان

کی دلالت صرف حیوان یا صرف ناطق پر اور اگر لفظ کی دلالت معنی موضوع لہ کے لازم پر ہو تو وہ دلالت التزامی ہے جیسے انسان کی دلالت قابلیت علم پر۔

متن: ولابُدَّ فیه من اللزومِ عقلًا اوعرفًا وتلزمُهُما المطابَقةُ ولوتقدیرًا ولاعکسَ اورضروری ہے اس میں لزوم عقلی یا عرفی، اوران دونوں کومطابقۃ لازم ہے اگر چہ تقدیراہواوراس کاعکس نہیں۔

قولُه ولابدفیه ای فی دلالةِ الالتزامِ قولُه مِنَ اللزومِ ای کونُ الامرِ الخارجِ بحیثُ یَسْتَحِیلُ تصوُّرُ الموضوعِ له بدونِه سواءٌ کان هذ اللزومُ الذهنیُّ عقلاً کالبصرِ بالنسبةِ الی العَمٰی اوعُرْفًا کَالجُودِ بالنسبةِ الی الحَاتِمِ

ترجمه : . اورضروری ہے اس میں یعنی دلالت التزامی میں، مصنف کا قول من اللزوم، یعنی امرخارج کا اس طور پر ہونا کہ محال ہو موضوع لہ کا تصوراس کے بغیر برابر ہے یہ لزوم ذہنی عقلی ہو جیسے بصرعمی کے لحاظ سے یا عرفی ہو جیسے سخاوت حاتم کے لحاظ سے

﴿تشریح﴾ **ای فی دلالة الخ** :۔ یہاں سے فیہ کی ضمیر کا مرجع بیان کیا کہ اس کا مرجع دلالۃ الالتزام ہے، ای کون الامر سے متن کی وضاحت کی کہ دلالت التزامی میں لزوم ذہنی ضروری ہے، لزوم ذہنی کا مطلب یہ ہے کہ امرخارج اس طور پر ہو کہ موضوع لہ کا تصوراس امرخارج کے بغیر محال ہو پھر لزوم ذہنی کی دو قسمیں ہیں، لزوم ذہنی عقلی، لزوم ذہنی عرفی۔ لزوم ذہنی عقلی یہ ہے کہ موضوع لہ کا تصورامرخارج کے بغیرعقلامحال ہو جیسے عمی کی دلالت بصر پر التزامی ہے اوران میں لزوم ذہنی عقلی ہے اس لیے کہ عمی کا تصور بغیر بصر کے عقلا محال ہے، اورلزوم ذہنی عرفی یہ ہے کہ موضوع لہ کا تصور بغیرامرخارج کے عرفا محال ہو جیسے حاتم کی دلالت سخاوت پر التزامی ہے اوران دونوں کے درمیان لزوم ذہنی عرفی ہے کیونکہ حاتم کا تصور بغیر سخاوت کے عرف میں محال ہے اگر چہ عقلا جائز ہے۔

قولُه وتلزمُهما المطابقةُ ولوتقدیرًا اذ لاشکَّ انَّ الدلالةَ الوضعیةَ علی جزءِ المسمّٰی ولازمِه فرعُ الدلالةِ علی المسمّٰی سواءٌ کانَتْ تلکَ الدلالةُ علی المسمّٰی مُحقَّقَةً بان یُطلَقَ اللفظُ ویُرادُ به المسمّٰی ویفهَمُ منه الجزءُ اوالـلازمُ بالتبعِ اومقدَّرَةً کمااذا اشتَهَرَ اللفظُ فی الجزءِ اواللازمِ فالدلالةُ علی الموضوعِ له وان لم یَتَحَقَّقْ هناک بالفعلِ الا انَّها واقعةٌ تقدیراً بمعنٰی انَّ لِهٰذ ا اللفظِ معنیً لو قُصِدَ من اللفظِ لکَانَ دلالتُه علیه مطابقةً والی هذا اشارَ بقولِه ولو تقدیرًا

ترجمه : . مصنف کا قول وتلزمہما الخ، اس لیے کہ کوئی شک نہیں کہ دلالت وضعیہ مسمی کے جزء پر اوراس کے لازم پر فرع ہے مسمی پر دلالت کی برابر ہے یہ دلالت مسمی پر حقیقۃ ہو بایں طور کہ لفظ بولا جائے اوراس سے مراد مسمی ہو اوراس سے سمجھا جائے جزء

یالازم، یا تقدیراً ہو جیسے جب مشہور ہو جائے لفظ جزء میں یالازم میں تو دلالت موضوع لہ پر اگر چہ متحقق نہیں ہے وہاں بالفعل مگر یہ کہ وہ واقع ہے تقدیراً بایں معنی کہ اس لفظ کا ایک اور معنی ہے اگر اس کا ارادہ کیا جائے لفظ سے تو اس کی دلالت اس پر مطابقی ہو گی اور اسی کی طرف اشارہ کیا مصنف نے اپنے اس قول ولو تقدیراً سے۔

﴿تشریح﴾ **وتلزمهما الخ** :۔مصنف کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ دلالت مطابقی دلالت تضمنی اور التزامی کو لازم ہے یعنی جہاں دلالت تضمنی اور دلالت التزامی پائی جائے گی وہاں دلالت مطابقی بھی ضرور پائی جائیگی۔اذ لا شک الخ سے اس کی دلیل بیان کی کہ دلالت تضمنی میں جزءِ معنی موضوع لہ پر دلالت ہوتی ہے اور دلالت التزامی میں معنی موضوع لہ کے لازم پر دلالت ہوتی ہے اور دلالت مطابقی میں موضوع لہ کے کل پر دلالت ہوتی ہے، اور جزء یا لازم پر دلالت فرع ہے کل پر دلالت کی، اور فرع اصل کے بغیر نہیں پائی جاتی، لہذا جہاں بھی دلالت تضمنی اور التزامی پائی جائیگی وہاں دلالت مطابقی بھی ضروری پائی جائیگی۔

سواء الخ :۔یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ جہاں تضمنی اور التزامی پائی جائے گی وہاں دلالت مطابقی بھی ضرور پائی جائیگی اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی لفظ اپنے جزء یا لازم میں مشہور ہو اور اس کے تمام موضوع لہ میں ستعمال چھوڑ دیا گیا ہو تو اب دلالت تضمنی اور التزامی پائی جائیگی اور مطابقی نہ ہوگی؟ اس کا جواب دیا کہ دلالت مطابقی کے پائے جانے میں تعمیم ہے خواہ تحقیقی ہو یا تقدیری، تحقیقی ہو یہ تو ظاہر ہے اور تقدیری ہو جیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی لفظ اپنے جزء معنی موضوع لہ یا لازم میں مشہور ہو اور تمام موضوع لہ میں متروک ہو تو اس وقت اگر چہ دلالت مطابقی حقیقۃً تو نہیں پائی جائے گی لیکن تقدیراً پائی جائیگی وہ اس طرح کہ اس لفظ کا ایک اور معنی بھی ہے اگر اس معنی کا اس لفظ سے ارادہ کیا جائے تو اس پر دلالت مطابقی ہو، اور مصنف نے اپنے قول ولو تقدیراً سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا۔

قولُه ولا عكسَ اذ يجُوزُ ان يكونَ لِلفظٍ معنى بَسيطٌ لاجزءَ له ولالازمَ له فتحقَّقَتِ المطابقةُ بدونِ التضمنِ والالتزامِ ولوكانَ له معنًى مركبٌ لالازمَ له تحَقَّقَ التضمنُ بدونِ الالتزامِ ولوكانَ له معنًى بسيطٌ له لازمٌ تحقَّقَ الالتزامُ بدونِ التضمنِ فالاستلزامُ غيرُ واقعٍ فى شئيٍ مِّنَ الطرفينِ

ترجمہ :۔اس کا عکس نہیں، اس لیے کہ جائز ہے کہ لفظ کا ایک معنی بسیط ہو جس کا کوئی جزء نہ اور نہ لازم ہو پس پائی جائیگی مطابقت بغیر تضمن اور التزام کے اور اگر اس کے لیے معنی مرکب ہو جس کا کوئی لازم نہ ہو تو تضمن پائی جائے گی بغیر التزام کے اور اگر اس کا معنی بسیط ہو جس کا کوئی لازم ہو تو پائی جائیگی التزام بغیر تضمن کے پس استلزام واقع نہیں ہوگا طرفین میں سے کسی میں

﴿تشریح﴾ **ولاعكس اذيجوز الخ** :۔مصنف کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اس کا عکس نہیں یعنی یہ ضروری نہیں کہ جہاں دلالۃ مطابقی پائی جائے وہاں دلالت تضمنی اور التزامی بھی پائی جائے۔شارح نے اس کی دلیل یوں بیان کی کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی

لفظ ایسا ہوجس کا معنی بسیط ہو نہ تو اس کا کوئی جزء ہو اور نہ کوئی لازم، تو اس وقت دلالت مطابقی پائی جائیگی اور دلالت تضمنی اور التزامی نہیں پائی جائیگی۔

ولو کان الخ :۔ یہاں دلالت تضمنی اور التزامی کے درمیان نسبت بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے، لہذا تین مادے ہونگے ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی، مادہ اجتماعی یہ ہے کہ دلالت تضمنی اور التزامی دونوں پائی جائیں جیسے کوئی لفظ ہوجس کا معنی مرکب ہو (یعنی اس کا جزء ہو) اور اس کا کوئی لازم بھی ہو تو دلالت تضمنی بھی پائی جائیگی اور دلالت التزامی بھی مادہ افتراقی نمبر 1 کہ دلالت تضمنی ہو دلالت التزامی نہ ہو جیسے کوئی لفظ ہو جس کے معنی کا جزء ہو اور اس کا کوئی لازم نہ ہو اور مادہ افتراقی نمبر 2 کہ دلالت التزامی پائی جائے اور دلالت تضمنی نہ پائے جائے جیسے کوئی لفظ ہو اس کا معنی بسیط ہو (کوئی جزء نہ ہو) اور اس کا کوئی لازم ہو

متن : **والموضوعُ ان قُصِدَ بجزءِ ہ الدلالةُ علی جزءِ معنَاہ فمرکَّبٌ اِمَّا تامٌّ اوانشاءٌ واِمَّا ناقصٌ تقییدیٌ اوغیرُہ والَّافمفردٌ**

اور لفظ موضوع اگر اس کے جزء سے قصد کیا جائے اس کے معنی کے جزء کا تو وہ مرکب ہے یا تام یا انشاء، اور یا ناقص ہے تقییدی یا غیر تقییدی ورنہ پس مفرد ہے۔

قولہ والموضوعُ ای اللفظُ الموضوعُ ان اُرِیدَ دلالةُ جزءٍ منہ علی جزءِ معناہ فھوالمرکبُ والافھو المفردُ فالمرکبُ انما یَتَحَقَّقُ بامورٍ اربعٍ الاولُ انَّ لِلفظٍ جزءً والثانِی ان یکون لِمعناہ جزءٌ والثالثُ ان یدلَّ جزءُ اللفظِ علی جزءِ معناہ والرابعُ ان تکونَ ھذہ الدلالةُ مرادةً فبانتفاءِ کلٍّ من القیودِ الاربعةِ یتحقَّقُ المفردُ فلِلمرکبِ قسمٌ واحدٌ ولِلمفردِ اقسامٌ اربعٌ الاوَّلُ مالاجزءَ لہ نحوُ ھمزةِ الاستفھامِ والثانِی مالا جزءَ لِمعناہ نحوُلفظِ اللہِ والثالثُ ما لا دلالةَ لجزءِ لفظِہ علی جزءِ معناہ کزیدٍ وعبدِ اللہ علمًا والرابعُ مایدلُّ جزءُ لفظٍ علی جزءِ معناہ لکنَّ الدلالةَ غیرُ مقصودةٍ کالحیوانِ الناطقِ عَلَمًا لِشخصٍ انسانيٍ

ترجمہ :۔ مصنف کا قول موضوع، یعنی لفظ موضوع اگر ارادہ کیا جائے اس کی جزء سے دلالت کا اس کے معنی کی جزء پر تو وہ مرکب ہے ورنہ پس وہ مفرد ہے پس مرکب نہیں ہے سوائے اس کے کہ متحقق ہوتا ہے چار امور کے ساتھ پہلا یہ کہ لفظ کا جزء ہو اور دوسرا یہ کہ اس کے معنی کا جزء ہو تیسرا یہ کہ لفظ کی جزء اس کے معنی کی جزء پر دلالت کرے اور چوتھا یہ کہ یہ دلالت مقصود ہو پس ان چاروں قیود میں سے ہر ایک کے انتفاء کے ساتھ پایا جائیگا مفرد، پس مرکب کی ایک قسم ہے اور مفرد کی چار اقسام، پہلی قسم یہ

ہے کہ اس کا جزء نہ ہو جیسے ہمزہ استفہام، دوسری یہ کہ اس کے معنی کی جزء نہ ہو جیسے لفظ اللہ، تیسری یہ ہے کہ اس کے لفظ کی جزء کی دلالت نہ ہو اس کے معنی کی جزء پر جیسے زید اور عبداللہ جب کہ علم ہو اور چوتھی یہ ہے کہ دلالت کرے لفظ کی جزء اس کے معنی کی جزء پر لیکن دلالت مقصود نہ ہو جیسے حیوان ناطق جبکہ وہ علم ہو کسی شخص انسانی کا۔

﴿تشریح﴾ قوله الموضوع الخ :۔ مصنف کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ لفظ موضوع کی دو قسمیں ہیں اگر لفظ موضوع کی جزء سے اس کے معنی کی جزء پر دلالت کا ارادہ کیا جائے تو وہ مرکب ہے اور اگر اس کے لفظ کی جزء سے اس کے معنی کی جزء پر دلالت کا ارادہ نہ ہو تو وہ مفرد ہے۔

ای اللفظ الخ :۔ یہاں سے اشارہ کیا کہ مصنف کی عبارت میں الموضوع صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے جو کہ اللفظ ہے۔

فالمرکب الخ :۔ متن کا تجزیہ کرتے ہیں کہ مصنف کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مرکب اس وقت پایا جائیگا جب کہ چار امور پائے جائیں (۱) لفظ کا جزء ہو (۲) معنی کا جزء ہو (۳) لفظ کا جزء معنی کی جزء پر دلالت کرے (۴) اس دلالت کا قصد بھی کیا جائے۔ ان چار امور میں کوئی امر بھی منتفی ہو جائے تو مفرد متحقق ہو جائیگا۔ پس مرکب کی ایک قسم ہے اور مفرد کی چار اقسام ہیں۔ (۱) لفظ کا جزء نہ ہو جیسے ہمزہ استفہام (۲) لفظ کا جزء ہو لیکن معنی کا جزء نہ ہو جیسے لفظ اللہ (۳) لفظ کا جزء ہو معنی کا جزء ہو لیکن لفظ کا جزء معنی کی جزء پر دلالت نہ کرے جیسے زید اور عبداللہ جبکہ یہ کسی کا علم ہو (۴) لفظ کا جزء معنی کی جزء پر دلالت کرے لیکن اس دلالت کا قصد نہ ہو جیسے حیوان ناطق جب کہ یہ کسی انسان کا نام رکھ دیا جائے۔

قولُه اِمَّا تامٌ ای یَصِحُّ السکوتُ علیه کزیدٌ قائمٌ قولُه خبرٌ اِن احتَمَلَ الصدقَ والکذبَ ای یکونُ من شانِه ای یَتّصِفَ بهما بان یقالَ له صادقٌ او کاذبٌ قوله اوانشاءٌ ان لم یحتَمِلْهما قوله واِمَّا ناقصٌ ان لم یصِحَّ السکوتُ علیه قوله تقییدیٌ انْ کانَ الجزءُ الثانِی قیدًا لِلاولِ نحوُغلامُ زیدٍ ورجلٌ فاضلٌ وقائمٌ فی الدارِ قولُه اوغیرُه انْ لمْ یکُنِ الجزءُ الثانِی قیداًللاولِ نحوُفِی الدارِ قولُه والَّا فمفرَدٌ ای وان لم یُقصَدُ بجزءٍ منه الدلالةُ علی جزءِ معنَاه

ترجمہ:۔ مصنف کا قول اما تام، یعنی اس پر سکوت صحیح ہو جیسے زید قائم مصنف کا قول خبر، اگر وہ صدق اور کذب کا احتمال رکھے یعنی ہو اس کی شان میں سے یہ بات کہ متصف ہو ان دونوں کے ساتھ بایں طور کہ اس کے بارے کہا جائے کہ یہ صادق ہے یا کاذب ہے مصنف کا قول اوانشاء، اگر وہ ان دونوں کا احتمال نہ رکھے، مصنف کا قول واما ناقص، یعنی اس پر سکوت صحیح نہ ہو، مصنف کا قول اوتقییدی اگر جزء ثانی قید ہو جزء اول کے لیے جیسے غلام زید اور رجل فاضل اور قائم فی الدار، مصنف کا قول اوغیرہ،

اگر جزء ثانی قید نہ ہو جزء اول کی جیسے فی الدار مصنف کا قول والافمفرد یعنی اور اگر ارادہ نہ کیا جائے اس کی جزء سے دلالت کا اس کے معنی کی جزء پر۔

﴿تشریح﴾ مصنف کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مرکب کی دو قسمیں ہیں مرکب تام، مرکب ناقص، پھر مرکب تام کی دو قسمیں ہیں خبر اور انشاء، اسی طرح مرکب ناقص کی دو قسمیں ہیں مرکب تقییدی اور مرکب غیر تقییدی۔

ای یصح الخ : یہاں سے مرکب تام کی تعریف کرتے ہیں کہ مرکب تام وہ ہے جس پر متکلم کا سکوت صحیح ہو یعنی اگر متکلم خاموش ہو جائے تو مخاطب کو بات سمجھ میں آ جائے جیسے زید قائم

خبر الخ :۔ خبر کی تعریف کی کہ خبر وہ ہے جو صدق اور کذب کا احتمال رکھے، **ای یکون** سے ایک سوال کا جواب دیا کہ خبر کی یہ تعریف صحیح نہیں اس لیے کہ جو خبر صادق ہو اس میں کذب کا احتمال نہیں ہوتا جیسے اللہ موجود، اور جو خبر کاذب ہو اس میں صدق کا احتمال نہیں ہوتا جیسے الارض فوقنا۔ تو کیسے کہا کہ خبر وہ ہے جو صدق اور کذب (دونوں) کا احتمال رکھے؟ اس کا جواب دیا کہ احتمال سے مراد امکان اتصاف ہے اور واؤ او کے معنی میں ہے، معنی یہ ہے کہ خبر وہ ہے جس میں صدق اور کذب دونوں کے ساتھ متصف ہونے کا امکان ہو بایں طور کہ اس کے بارے میں یہ کہا جا سکے یہ صادق ہے یا کاذب ہے۔ **او انشاء الخ** سے انشاء کی تعریف کی، انشاء وہ مرکب تام ہے جو صدق اور کذب کا احتمال نہ رکھے۔ ان لم یصح سے مرکب ناقص کی تعریف کی، مرکب ناقص وہ ہے جس پر متکلم کا سکوت صحیح نہ ہو **تقییدی الخ** سے مرکب تقییدی کی تعریف کی کہ مرکب تقییدی وہ ہے جس میں جزء ثانی جزء اول کے لیے قید ہو خواہ وہ قید مضاف الیہ کی شکل میں ہو جیسے غلام زید، یا صفت کی صورت میں ہو جیسے رجل فاضل، یا وہ قید ظرف کی شکل میں ہو جیسے قائم فی الدار، **او غیرہ الخ** سے غیر تقییدی کی تعریف کرتے ہیں کہ مرکب غیر تقییدی وہ ہے جس میں جزء ثانی جزء اول کے لیے قید نہ ہو جیسے فی الدار۔ **والافمفرد الخ** سے مفرد کی تعریف کی کہ مفرد وہ ہے جس کی جزء سے اس کے معنی کی جزء پر دلالت کرنے کا قصد نہ کیا گیا ہو

> **متن**:: **وهو اِن استَقَلَّ فمع الدلالةِ بهيئتِه على احدِالازمنةِ الثلاثةِ كلمةٌ وبدونِها اسمٌ والّا فَاداةٌ**
> اور وہ مفرد اگر مستقل ہو تو اپنی ہیئت کے ساتھ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے پر دلالت کرنے کے ساتھ کلمہ ہے اور اس کے بغیر اسم ہے ورنہ پس اداۃ ہے۔

قوله وهو اِن استقلَّ فی الدلالةِ علی معناه بانْ لایَحتَاجَ فيها الی ضمّ ضميمةٍ قوله بهيئتِه بان يكونَ بحيثُ كُلَّما تحقَّقَت هيئتُه التركيبيةُ فی مادةٍ موضوعةٍ متَصَرِّفةٍ فيها فُهِمَ واحدٌ من الازمنةِ الثلاثةِ مثلاً هيئةُ نَصَرَ وهی المُشتَمِلةُ علی ثلاثةِ حروفٍ مفتوحةٍ مُتَوَاليةٍ كلَّما تحقَّقَت فُهِمَ الزمانُ الماضِی لكن

بشرطِ ان یکونَ تحقُّقُها فی ضمنِ مادۃٍ موضوعَۃٍ متَصَرِّفۃٍ فیها فلایرِدُ النقضُ بنحوِ جسقٍ وحجرٍ قولُہ کلمۃٌ فی عرفِ المنطقیینَ وفی عُرفِ النحاۃِ فعلٌ قولُہ واِلّا فاَدَاۃٌ ای وان لم یَستَقِلَّ فی الدلالۃِ فاداۃٌ فی عُرفِ المنطقیینَ وحرفٌ فی عرفِ النحاۃِ

ترجمہ :. اوروہ اگرمستقل ہواپنے معنی پردلالت کرنے میں بایں طورکہ اس میں ضرورت نہ ہوکسی کلمہ کوملانے کی ،مصنف کا قول بھیئتہ یعنی بایں طورکہ وہ اس طورپرکہ جب بھی متحقق ہواس کی ہیئت ترکیبیہ کسی ایسے مادہ میں جوموضوع ہوجس میں گردان جاری ہوتوسمجھاجائے تینوں زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ مثلانصرکی ہیئتہ اوروہ مشتمل ہے تین حروف پرجومفتوح ہیں پے درپے ہیں ،جب یہ بھی پائی جائیگی توسمجھاجائے گااس سے زمان ماضی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کاتحقق ایسے مادے کے ضمن میں ہوجو موضوع ہواوراس میں گردان جاری ہوتی ہوپس نقض واردنہ ہوگاجسق اورحجرکی مثل کے ساتھ مصنف کاقول کلمۃ ،یعنی یہ کلمہ ہے منطقیوں کے عرف میں اورنحویوں کے عرف میں فعل ہے ،مصنف کاقول والا فاداۃ ،یعنی اگرمستقل نہ ہودلالت میں تواداۃ ہے منطقیوں کے عرف میں اورحرف ہے نحویوں کے عرف میں ۔

﴾تشــــریــح﴿ مصنف کی عبارت کاحاصل یہ ہے کہ مفردکی تین قسمیں ہیں کلمہ،اسم اورحرف ۔وجہ حصریہ ہے کہ مفردمعنی پردلالت کرنے میں مستقل ہوگایانہیں ،اگرنہ ہوتووہ اداۃ ہے ،اوراگرہوتودوحال سے خالی نہیں یاتواپنی ہیئت کے ساتھ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ پردلالت کرے گایانہیں ،اگراپنی ہیئت کے ساتھ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے پردلالت کرے تووہ کلمہ ہے ،اوراگرنہ کرے تووہ اسم ہے ۔پس اس وجہ حصرسے ہرایک کی تعریف بھی معلوم ہوگئی ،اداۃ وہ مفردہے جو مستقل فی الدلالت نہ ہویعنی اپنے معنی پردلالت کرنے میں دوسرے کلمے کے ملانے کامحتاج ہو۔جیسے من والی ۔کلمہ وہ مفردہے جومستقل فی الدلالت ہواوراپنی ہیئت کے ساتھ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے پردال ہوجیسے نصر۔اوراسم وہ مفردہے جو مستقل فی الدلالت ہواوراپنی ہیئت کے ساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے پردال نہ ہوجیسے رجل ۔

بان لایحتاج الخ :۔یہاں سے معنی پردلالت کرنے میں مستقل ہونے کامطلب بیان کرتے ہیں کہ اس کامطلب یہ ہے کہ وہ معنی پردلالت کرنے میں کسی دوسرے لفظ کے ملانے کامحتاج نہ ہو

بان یکون بحیث الخ : ۔یہ ایک سوال کاجواب ہے کہ کلمہ کی تعریف منقوض ہے جسق اورحجرکے ساتھ ،اس لیے کہ ان کی ہیئت نصرکی ہیئت کی طرح ہے جوکہ زمان پردال ہے ،حالانکہ جسق اورحجراپنی ہیئت کے ساتھ زمانہ پردلالت نہیں کرتے ؟اس کاجواب دیاکہ ہیئت کے ساتھ زمانہ پردلالت کرنے کامطلب یہ ہے کہ اس کی ہیئت ایسے مادہ میں پائی جائے جو موضوع ہواوراس کی گردان بھی ہوتی ہو،اب جسق اورحجرکے ساتھ نقض واردنہ ہوگا،اس لیے کہ جسق موضوع نہیں بلکہ مہمل ہے ،

اورحجرا اگر چہ موضوع ہے لیکن اس میں گردان جاری نہیں ہوتی۔

قولہ کلمۃ الخ :۔یہاں سے ایک اصطلاح بیان کرتے ہیں کہ جو اپنی ہیئت کے ساتھ زمان پر دال ہو منطقی اس کو کلمہ اور نحوی اس کو فعل کہتے ہیں، اسی طرح جو معنی پر دلالت کرنے میں مستقل نہ ہو منطقی اس کو اداۃ جبکہ نحوی اس کو حرف کہتے ہیں۔

متن: وایضاً انِ اتَّحدَ معناہ فمع تشخُّصِہ وضعاً علمٌ وبدونہ مُتَوَاطٍ اِن تَسَاوَتْ افرادُہ ومشكِّكٌ اِنْ تفاوَتَتْ باوَّليةٍ اواولَوِيةٍ وان كثُرَ فان وُضِعَ لِكُلٍ ابتداءً فمشتركٌ والافاِنِ اشْتَهَر فى الثانِى فمنقولٌ يُنسَبُ الى الناقلِ والافحقيقةٌ ومجازٌ

اور نیز اگر متحد ہو اس کا معنی تو اپنے وضعاً تشخص کے ساتھ علم ہے اور اس کے بغیر متواطی ہے اگر برابر ہوں اس کے افراد اور مشکک ہے اگر متفاوت ہوں اولیت یا اولویت کے ساتھ اور اگر معنی کثیر ہوں پس اگر وضع کیا گیا ہو اس کو ہر ایک کے لیے ابتداءً تو مشترک ہے ورنہ پس اگر مشہور ہو دوسرے معنی میں تو منقول ہے جو منسوب ہوتا ہے ناقل کی طرف، ورنہ پس حقیقت ومجاز ہے۔

مصنف یہاں سے مفرد کی ایک اور تقسیم کررہے ہیں جو وحدت معنی اور کثرت معنی کے لحاظ سے ہے کہ مفرد کی باعتبار وحدت معنی اور کثرت معنی سات اقسام ہیں، علم، متواطی، مشکک، مشترک، منقول، حقیقت اور مجاز۔ وجہ حصر یہ ہے کہ مفرد دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کا معنی ایک ہوگا یا اس کی معنی کثیر ہونگے، اگر اس کا معنی ایک ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا متشخص ہوگا یا نہیں، اگر متشخص ہو تو وہ علم ہے، اگر متشخص نہ ہو بلکہ اس کے کئی افراد ہوں تو یا تو اس کے تمام افراد برابر ہونگے یا نہیں، اگر برابر ہوں تو وہ متواطی ہے، اگر برابر نہ ہوں تو وہ مشکک ہے، اور اگر اس کے معنی کثیر ہوں تو یا اس کو ہر معنی کے لیے علیحدہ وضع کیا گیا ہو یا نہیں اگر ہر معنی کے لیے اس کو علیحدہ وضع کیا گیا ہو تو وہ مشترک ہے، اور اگر ہر معنی کے لیے علیحدہ وضع نہ کیا گیا ہو تو یا تو وہ اپنے پہلے معنی میں متروک اور دوسرے میں مشہور ہوگا یا نہیں، اگر پہلے معنی میں متروک اور دوسرے میں مشہور ہو تو وہ منقول ہے اور اگر دونوں معنوں میں استعمال ہو تو پہلے معنی میں وہ حقیقت ہوگا اور دوسرے معنی میں مجاز ہوگا۔ اس وجہ حصر سے ہر ایک کی تعریف معلوم ہوگئی کہ علم وہ ہے جس کا ایک معنی ہو اور وہ معنی معین ومتشخص ہو جیسے زید، متواطی وہ مفرد ہے جس کا ایک معنی ہو اور اس کے کئی افراد ہوں اور سب برابر ہوں جیسے انسان اور مشکک وہ مفرد ہے جس کا ایک معنی ہو اور اس کے کئی افراد ہوں لیکن سب برابر نہ ہوں جیسے بیاض، (بیاض یعنی سفیدی کے افراد برابر نہیں کیونکہ کچھ زیادہ سفید ہوتے ہیں کچھ کم) اور مشترک وہ مفرد ہے جس کے کئی معنی ہو ں اور اس کو ہر معنی کے لیے علیحدہ وضع کیا گیا ہو جیسے عین، اس کے کئی معنی ہیں جیسے سونا، آنکھ، چشمہ اور ہر معنی کے لیے اس کو علیحدہ وضع کیا گیا ہے۔ منقول وہ مفرد ہے جو اپنے معنی اول میں متروک ہو اور معنی ثانی میں مشہور ہو جیسے صلوۃ، اس کے دو معنی ہیں دعا

اورارکان مخصوصہ، دعامیں یہ متروک ہے اورارکان مخصوصہ میں یہ مشہور ہے۔اورحقیقت وہ مفرد ہے جواپنے معنی موضوع لہ میں استعمال ہواورمجاز وہ وہے جوغیرمعنی موضوع لہ میں استعمال ہو، جیسے اسد، اس کامعنی موضوع لہ حیوان مفترس ہےاورمعنی غیر موضوع لہ شجاع ہے۔پس اسد حیوان مفترس میں حقیقت ہےاورشجاع میں مجاز ہے

قولُه وايضاً مفعولٌ مطلقٌ لِفعلٍ محذوفٍ اى آضَ ايضًا اى رجَعَ رُجُوعًا وفيه اشارةٌ الى انَّ هذِه القسمةَ ايضًا لِمطلقِ المفردِ لا لِلاسمِ وفيه بحثٌ لانه يقْتَضِى ان يكونَ الحرفُ والفعلُ اذا كانا مُتَّحِدَىِ المعنٰى داخلينِ فى العَلَمِ والمتواطِى والمشكِّك مع انَّهم لا يسمُّونَهما بهذِهِ الاسامِى بل قد حُقِّقَ فى موضعِه ان معنَاهما لا يتّصِفُ بالكليةِ والجزئيةِ تامَّلُ فيه

ترجمہ :۔ مصنف کاقول وایضامفعول مطلق ہےفعل محذوف کایعنی آض ایضا یعنی رجع رجوعا،اوراس میں اشارہ ہےاس بات کی طرف کہ یہ تقسیم بھی مطلق مفرد کی ہے نہ کہ اسم کی۔اوراس میں اعتراض ہےاس لیے کہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ حرف اورفعل بھی جب وہ متحد المعنی ہوں داخل ہوں علم متواطی اورمشکک میں حالانکہ منطقی ان دونوں کا نام نہیں رکھتے ان ناموں کے ساتھ بلکہ ثابت ہوچکی ہےاپنی جگہ میں یہ بات کہ ان دونوں کامعنی متصف نہیں ہوتا کلیۃ اورجزئیۃ کےساتھ،اس میں غورکر۔

﴿تشریح﴾ مفعول مطلق الخ :۔یہاں سےایضا کی ترکیب بیان کرتے ہیں،ایضامفعول مطلق ہےفعل محذوف آض کا، اصل میں تھا آض ایضا،اس کامعنی ہےرجع رجوعا۔

وفيه اشارة الخ :۔یہاں سےایضا کافائدہ بیان کرتے ہیں کہ اس سےاس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح پچھلی تقسیم (کلمہ اسم اوراداۃ) مطلق مفرد کی تھی اس طرح یہ تقسیم بھی مطلق مفرد کی ہے،نہ کہ اسم کی۔

وفيه بحث الخ :۔یہاں سےشارح مصنف پراعتراض ذکرکرتے ہیں کہ اس تقسیم کومطلق مفرد کی تقسیم قراردینا درست نہیں اس لیے کہ مطلق مفرد میں تو حرف اورفعل بھی داخل ہیں تو لازم آئیگا کہ جس طرح اسم،علم متواطی اورمشکک ہوتا ہے اسی طرح فعل اورحرف بھی علم متواطی اورمشکک ہوں،حالانکہ مناطقہ فعل اورحرف کوعلم متواطی اورمشکک نہیں کہتے۔

بل قد حقق الخ:۔یہاں سےایک وہم کاازالہ ہے،وہم یہ ہے کہ ہوسکتا ہےمناطقہ فعل اورحرف کوعلم متواطی اورمشکک نہ کہتے ہوں لیکن ان دونوں کاعلم،متواطی اورمشکک ہوناممکن ہو،اس وہم کودورکردیا کہ فعل اورحرف کاعلم متواطی اور مشکک ہوناممکن ہی نہیں ہےاس لیے کہ علم متواطی اورمشکک وہ چیز ہوسکتی ہے جوکلی اورجزئی ہوسکے،کیونکہ علم جزئی ہوتا ہےاور متواطی اورمشکک کلی ہوتے ہیں،جبکہ فعل اورحرف کلی اورجزئی نہیں ہوسکتے۔

تامل فيه :۔یہاں سےاس اعتراض کےجواب کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ یہ تقسیم مطلق مفرد کی ہےلیکن یہ تقسیم

مطلق مفرد کی ایک خاص قسم اسم کے اعتبار سے ہے۔

قولُہ ان اتَّحَدَ ای وحَدَ معنَاہ قولُہ فمعَ تشخُّصِہ ای جزئیتِہ قولہ وضعًا ای بحسبِ الوضع دونَ الاستعمالِ لانَّ ما یکونُ مدلولُہ کلیًا فی الاصلِ ومشخَّصًا فی الاستعمالِ کاسماءِ الاشارۃِ علی رایِ المصنفِ لایُسَمّٰی عَلَمًا

ترجمہ :۔ مصنف کا قول ان اتحد یعنی اس کا معنی ایک ہو مصنف کا قول فمع تشخصہ یعنی جزئیتہ ،مصنف کا قول وضعا یعنی وضع کے لحاظ سے نہ کہ استعمال کے لحاظ سے اس لیے کہ وہ چیز جس کا مدلول کلی ہو اصل میں اور مشخص ہو استعمال میں جیسے اسماء اشارہ مصنف کی رائے کے مطابق ،س کا نام علم نہیں رکھا جاتا۔

﴿تشریح﴾ ای وحد الخ :۔ یہاں سے اتحد کا معنی بیان کیا کہ اس کا معنی ہے اس مفرد کا معنی ایک ہو،اور جزئیتہ سے تشخصہ کا معنی بتایا۔کہ تشخص کا معنی ہے جزئیت۔

ای بحسب الوضع الخ : یہاں سے وضعا کا معنی بتایا کہ اس کا مطلب ہے کہ علم ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس معنی کا معین مشخص ہونا وضع کے اعتبار سے ہو نہ کہ استعمال کے اعتبار سے اس لیے کہ جس کا مدلول اصل اور وضع کے اعتبار سے کلی ہو اور استعمال کے لحاظ سے مشخص ہو وہ علم اور جزئی نہیں ہوتا جیسے مصنف کے مذہب کے مطابق اسماء اشارہ ،اسماء اشارہ اصل کے لحاظ سے کلی ہیں لیکن استعمال میں یہ مشخص ہیں اسی لیے مصنف کے نزدیک یہ علم نہیں۔

وھھنا کلامٌ آخرُ وھو انَّ المرادَ بالمعنٰی فی ھذا التقسیمِ اِمَّا الموضوعُ لہ تحقیقًا اوماستُعمِلَ فیہ اللفظُ سواءٌ کانَ وضعُ اللفظِ بازاءِہ تحقیقًا اوتاویلًا فعلَی الاوَّلِ لایصِحُّ عدُّ الحقیقۃِ والمجازِ من اقسامِ متکثّرِ المعنٰی وعلَی الثانیِ یدخُلُ نحوُ اسماءِ الاشارۃِ علی مذھبِ المصنفِ فی متکثّرِ المعنٰی ویَخرُجُ عن افرادِ متحدِ المعنٰی فلاحاجۃَ فی اخراجِھا الی التقییدِ بقولِہ وضعًا

ترجمہ: اور یہاں ایک دوسرا کلام ہے،وہ یہ ہے کہ معنی سے مراد اس تقسیم میں یا موضوع لہ تحقیقا ہے یا وہ معنی ہے جس میں لفظ استعمال ہو برابر ہے لفظ کی وضع اس کے مقابلے میں تحقیقا ہو یا تاویلا ،پس پہلے احتمال کے مطابق صحیح نہ ہوگا حقیقت اور مجاز کو متکثر المعنی کی اقسام میں سے شمار کرنا اور دوسرے احتمال کے مطابق اسماء اشارہ کی مثل داخل ہوجائیں گے مصنف کے مذہب کے مطابق متکثر المعنی میں اور خارج ہوجائیں گے متحد المعنی سے تو کوئی ضرورت نہیں ہے ان کو نکالنے میں وضعا کے ساتھ مقید کرنے کی

﴿تشریح﴾ وھھنا الخ :۔ یہاں سے شارح مصنف پر اعتراض ذکر کرتے ہیں،اعتراض کو سمجھنے سے پہلے دو باتیں سمجھیں

(۱) اس تقسیم میں حقیقت اور مجاز متکثر المعنی کی اقسام ہیں جن کو مصنف نے وان کثر الخ کے تحت بیان کیا ہے۔ (۲) مصنف کے نزدیک اسماء اشارہ متکثر المعنی میں سے ہیں، اسی لیے ان کو متحد المعنی کی اقسام سے خارج کرنے کے لیے وضعا کی قید لگائی۔ اب اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ ان اتحد معناہ میں معنی سے کیا مراد ہے، معنی موضوع لہ تحقیقا یا معنی مستعمل فیہ خواہ وہ تحقیقا یا مجازا، اگر کہیں کہ اس سے مراد معنی موضوع لہ تحقیقی ہے تو حقیقت اور مجاز کو متکثر المعنی کی اقسام (جن کو مصنف نے وان کثر سے آگے بیان کیا) میں سے شمار کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ حقیقت اور مجاز کا معنی موضوع لہ حقیقۃ ایک ہوتا ہے اور اگر کہیں کہ اس سے مراد معنی مستعمل فیہ ہے خواہ حقیقتا ہو یا مجازا ہو، تو اسماء اشارہ مصنف کے مذہب کے مطابق متکثر المعنی میں داخل ہو جائیں گے (اس لیے کہ اسماء اشارہ کے معنی مستعمل فیہ کثیر ہوتے ہیں مثلا ہذا، کہ یہ ہر قریب کے لیے بولا جاتا ہے اور ذالک، یہ ہر بعید کے لیے بولا جاتا ہے) اور یہ اسماء اشارہ متحد المعنی سے خارج ہو جائیں گے، لہذا ان کو متحد المعنی کی اقسام سے خارج کرنے کے لیے وضعا کی قید کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صنعت استخدام ہے، صنعت استخدام کا مطلب ہے کہ لفظ کو جب صراحۃ ذکر کیا جائے تو اس کا معنی اور ہو اور جب اس کی طرف ضمیر راجع کی جائے تو اور معنی مراد ہو۔ یہاں بھی ایسا ہے، ان اتحد معناہ میں معنی سے مراد معنی موضوع لہ تحقیقاً ہے، اور وان کثر میں جو اس کی طرف ضمیر راجع ہے اس سے مراد معنی مستعمل فیہ ہے، جب کثر کی ضمیر سے مراد معنی مستعمل فیہ ہے تو اب حقیقت اور مجاز کو متکثر المعنی کی اقسام میں سے شمار کرنا صحیح ہوگا اس لیے کہ حقیقت اور مجاز کے معنی مستعمل فیہ کثیر ہوتے ہیں، اور جب ان اتحد معناہ میں معنی سے مراد معنی موضوع لہ تحقیقاً ہے تو اب اسماء اشارہ متکثر المعنی میں داخل نہیں ہونگے بلکہ یہ متحد المعنی کی اقسام میں داخل رہیں گے اس لیے کہ اسماء اشارہ کا معنی موضوع لہ تحقیقاً ایک ہی ہوتا ہے لہذا ان کو خارج کرنے کے لیے وضعا کی قید ضروری ہے۔

قولُہ اِنْ تَسَاوَتْ افرادُہ بان یکونَ صدقُ ھذا المعنَی الکلیّ علی تلکَ الافرادِ علی السویۃِ قولہ ان تفاوَتَتْ ای یکونُ صدقُ ھذَ االمعنٰی علی بعضِ افرادِہ مقدَّماً علی صدقِہ علی بعضِ افرادِہ بالعلیۃِ اویکونُ صدقُہ علی بعضٍ اولٰی وانسبَ من صِدقِہ علی بعضٍ آخَرَ

ترجمہ : مصنف کا قول ان تساوت، بایں طور کہ اس معنی کلی کا ان افراد پر صادق آنا برابری کے ساتھ ہو مصنف کا قول ان تفاوتت، یعنی اس معنی کا اس کے بعض افراد پر صادق آنا مقدم ہو اس کے بعض افراد پر صادق آنے سے علیت کے ساتھ یا اس کا صادق آنا بعض پر اولی اور زیادہ مناسب ہو اس کے دوسرے بعض پر صادق آنے سے۔

﴿تشریح﴾ بان یکون الخ :۔ یہاں سے ان تساوت افرادہ کا معنی بیان کرتے ہیں جس کے ضمن میں کلی متواطی کی تعریف

بھی معلوم ہوجاتی ہے معنی یہ ہے کہ اس معنی کلی کا تمام افراد پر صادق آنا برابری کے ساتھ ہو، اب کلی متواطی کی تعریف یہ ہوئی کہ جس کا معنی ایک ہو اور اس کے افراد کثیر ہوں اور وہ تمام افراد پر برابری کے ساتھ صادق آئے۔

ان تفاوتت الخ: . یہاں سے ان تفاوتت کا معنی بیان کرتے ہیں جس کے ضمن میں کلی مشکک کی تعریف بھی معلوم ہوجائیگی، معنی یہ ہے کہ اس معنی کلی کا اپنے بعض افراد پر صادق آنا مقدم ہو اور دوسرے بعض پر صادق آنا موخر ہو، بعض پر مقدم اس لیے ہو کہ وہ علت ہیں یا بعض پر اس کا صادق آنا اولی اور انسب ہو دوسرے بعض پر صادق آنے کی نسبت۔ اول کی مثال جیسے وجود، اس کا اطلاق واجب اور ممکن دونوں پر ہوتا ہے لیکن واجب پر اس کا اطلاق مقدم ہے اس لیے کہ واجب ممکن کی علت ہے۔ اور ثانی کی مثال میں بھی وجود کو پیش کرتے ہیں کہ اس کا اطلاق واجب اور ممکن پر ہوتا ہے لیکن واجب پر اس کا اطلاق اولی اور انسب ہے بنسبت ممکن کے،

وغرضُه من قولِه اِن تَفَاوتَت باوَّليةٍ او اولَويةٍ مثلًا فانَّ التشكيكَ لاينحَصِرُ فيهما بل قد يكونُ بالزيادةِ والنقصانِ اوبالشدةِ والضعفِ

ترجمہ : اور مصنف کی غرض اپنے اس قول ان تفاوتت باولیۃ اواولویۃ سے مثال بیان کرنا ہے اس لیے کہ تشکیک ان دو میں منحصر نہیں بلکہ کبھی زیادتی اور نقصان کے ساتھ یا شدت اور ضعف کے ساتھ ہوتی ہے۔

﴿تشریح﴾ وغرضه الخ : ۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تشکیک کی دو قسمیں ہیں، تشکیک بالاولیۃ اور تشکیک بالاولویۃ، حالانکہ تشکیک کی دو قسمیں اور بھی ہیں تشکیک بالازیدیۃ اور تشکیک بالاشدیۃ، تشکیک بالازیدیۃ یہ ہے کہ معنی کلی کا اپنے بعض افراد پر صادق آنا مقدار میں زیادتی کے لحاظ سے ہو اور دوسرے بعض پر صادق آنا مقدار میں نقصان کے ساتھ ہو، جیسے سفیدی، اس کا اطلاق ایک کلو دودھ پر ہوتا ہے نقصان کے ساتھ اور دو کلو دودھ پر ہوتا ہے زیادتی کے ساتھ۔ تشکیک بالاشدیۃ کا مطلب ہے کہ معنی کلی کا اپنے بعض افراد پر صادق آنا کیفیت کی زیادتی کے ساتھ ہو اور دوسرے بعض پر صادق آنا کیفیت میں کمی کے ساتھ ہو جیسے سفیدی، اس کا اطلاق برف پر شدت (کیفیت کی زیادتی) کے ساتھ ہوتا ہے اور ہاتھی کے دانت پر اس کا اطلاق ضعف (کیفیت میں کمی) کے ساتھ ہوتا ہے۔ شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کا مقصود تشکیک کی مثالوں کو بیان کرنا ہے، حصر مقصود نہیں۔

واِن كثُرَ اى اللفظُ ان كثُرَ معناه المستعْمَلُ هو فيه فلا يخلُو اِمَّا ان يكونَ موضوعًا لِكلِّ واحدٍ من تلك المعانِى ابتداءً بوضعٍ على حدةٍ اولايكونُ كَذالك والاوَّلُ يُسَمّٰى مشتَرَكًا كالعينِ لِلباصِرَةِ والذَّهَبِ والرُّكبةِ والذاتِ وعلى الثانِى فلامحالةَ ان يكونَ اللفظُ موضوعاً بواحدٍ من تلكَ المعانِى اذِ المفرَدُ

قِسْمٌ من اللفظِ الموضوعِ ثم انَّه انِ استُعمِل فی معنیً آخَرَ فانِ اشتَهَرَ فی الثانِی وتُرِکَ استعمالُه فی المعنی الاول بحیثُ یتَبَادَرُ منه الثانِی اذ ااُطلَقَ مجَرَّداً عن القرائنِ فهذ ایسمّٰی منقولًا وانْ لَمْ یشتَهِرْ فی الثانِی ولم یُهجَرُ فی الاوَّلِ بل یُستَعمَلُ تارةً فی الاولِ واخریٰ فی الثانِی فانِ استُعمِلَ فی الاوَّلِ ای المعنٰی الموضوع له یُسَمّٰی اللفظُ حقیقةً وان استُعمِلَ فی الثانِی الذی هو غیرُ الموضوعِ له یسمّٰی مجازًا

ترجمہ : اوراگر کثیر ہو یعنی لفظ اگر کثیر ہو اس کا معنی مستعمل فیہ پس خالی نہیں اس بات سے کہ یا تو وہ موضوع ہوگا ان معانی میں سے ہرایک معنی کے لیے ابتداء علیحدہ وضع کے ساتھ یا ایسا نہ ہوگا ، پہلے کا نام رکھا جاتا ہے مشترک جیسے عین آنکھ، سونے ، گھٹنے اور ذات کے لیے اور دوسری صورت پر پس لامحالہ لفظ موضوع ہوگا ان معانی میں سے کسی ایک معنی کے لیے اس لیے کہ مفرد لفظ موضوع کی قسم ہے پھر بے شک وہ اگر استعمال ہو دوسرے معنی میں پس اگر مشہور ہو جائے وہ معنی ثانی میں اور چھوڑ دیا گیا ہو اس کا استعمال پہلے معنی میں اس طور پر کہ اس سے متبادر دوسرا معنی ہو جب اس کو ذکر کیا جائے قرائن سے خالی کر کے تو اس کا نام رکھا جاتا ہے منقول، اوراگر مشہور نہ ہو دوسرے معنی میں اور متروک نہ ہو اول معنی میں بلکہ کبھی استعمال ہو معنی اول میں اور کبھی دوسرے میں، پس اگر استعمال ہو اول میں یعنی معنی موضوع لہ میں تو لفظ کا نام رکھا جاتا ہے حقیقت، اوراگر استعمال ہو معنی ثانی میں جو کہ غیر موضوع لہ ہے، اس کا نام رکھا جاتا ہے مجاز۔

﴿تشریح﴾ **قولہ وان کثر الخ** :۔ یہاں سے لفظ مفرد متکثر المعنی کی اقسام وجہ حصر کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ متکثر المعنی کی چار اقسام ہیں، مشترک، منقول، حقیقت اور مجاز۔ وجہ حصر یہ ہے کہ لفظ متکثر المعنی دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کو ہر معنی کے لیے ابتداء علیحدہ وضع کیا گیا ہوگا یا نہیں اگر اس کو ہر معنی کے لیے علی حدہ وضع کیا گیا ہو تو وہ مشترک ہے، اس کی مثال جیسے عین، اس کے چار معانی ہیں اور ہر معنی کے لیے اس کو علی حدہ وضع کیا گیا ہے، آنکھ، سونا، گھٹنا اور ذات۔ اوراگر ہر معنی کے لیے اس کو وضع نہ کیا گیا ہو تو ضروری ہے کہ کم از کم ایک معنی کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہو اس لیے کہ یہ تقسیم مفرد کی ہے اور مفرد لفظ موضوع کی قسم ہے۔ پھر اگر وہ معنی موضوع لہ کے علاوہ دوسرے معنی میں استعمال ہو تو دو صورتیں ہیں، یا تو وہ معنی ثانی میں مشہور اور معنی اول میں متروک ہوگا یا نہیں، اگر معنی ثانی میں مشہور اور معنی اول میں متروک ہو تو وہ منقول ہے۔ اوراگر ایسا نہ ہو بلکہ کبھی معنی اول میں استعمال ہوتا ہو اور کبھی معنی ثانی میں تو جب وہ معنی اول میں استعمال ہوگا تو حقیقت ہوگا اور جب معنی ثانی میں استعمال ہوگا تو مجاز ہوگا۔

بحیث یتبادر الخ : یہاں سے منقول کی صورت ذکر کرتے ہیں، کہ اس کی صورت یہ ہے وہ معنی ثانی میں مشہور اور معنی اول میں متروک ہو اس طور پر کہ جب بھی اس قرائن سے خالی کر کے ذکر کیا جائے تو متبادر الی الذہن معنی ثانی ہو معنی اول نہ

ہو۔(مثلاصلوۃ کوجب قرائن سے خالی سے کر کے ذکر کیا جائے تو مراد ارکان مخصوصہ یعنی نماز ہوتی ہے، مراد دعانہیں ہوتی)

ثـم اِعْـلَـمْ انَّ الـمنقولَ لا بدَّله من ناقلٍ من المعنَى الاولِ المنقولِ عنه الى المعنَى الثانِي المنقولِ اليه فهذ االـنـاقِـلُ اِمَّـا اَهْـلُ الشَّرعِ اواهلُ العُرفِ العامِ اواهلُ عرفٍ واصطلاحٍ خاصٍ كالنحويّ مثلًا فعلَى الاولِ يسـمّٰـى مـنقولًا شرعيًا وعلى الثانى منقولًا عرفياً وعلى الثالِثِ اصطلاحياً الى هذ ااشارَ بقولِه يُنسَبُ الى الناقلِ

ترجمہ: پھر جان تو کہ منقول کے لیے ضروری ہے کوئی ایسا شخص جو نقل کرنے والا ہو معنی اول منقول عنہ سے معنی ثانی منقول الیہ کی طرف، پس یہ ناقل یا اہل شرع ہونگے یا اہل عرف عام یا اہل عرف خاص اور اصطلاح خاص جیسے نحوی مثلا، پس پہلی صورت میں اس کا نام رکھا جاتا ہے منقول شرعی اور دوسری تقدیر پر نام رکھا جاتا ہے منقول عرفی اور تیسری تقدیر پر اس کا نام رکھا جاتا ہے منقول اصطلاحی، اسی کی طرف اشارہ کیا مصنف نے اپنے قول ینسب الی الناقل سے۔

ثـم اعلم الخ :۔ یہاں سے شارح ناقل کے اعتبار سے منقول کی تقسیم کرتے ہیں، حاصل یہ ہے کہ منقول میں ناقل کا ہونا ضروری ہے جو معنی اول سے معنی ثانی کی طرف نقل کرے، منقول کی تین قسمیں ہیں منقول شرعی، منقول عرفی اور منقول اصطلاحی۔منقول شرعی وہ ہے جس میں معنی اول سے معنی ثانی کی طرف نقل کرنے والے اہل شرع ہوں، جیسے صلوۃ، اس کا معنی اول دعا ہے اور معنی ثانی ارکان مخصوصہ ہے اور معنی اول سے معنی ثانی کی طرف نقل کرنے والے اہل شرع ہیں۔منقول عرفی وہ ہے جس میں معنی اول سے معنی ثانی کی طرف نقل کرنے والے اہل عرف عام ہوں۔جیسے دابہ، اس کا معنی اول ہے رینگنے والا، اور معنی ثانی چوپایہ ہے۔معنی اول سے معنی ثانی کی طرف نقل کرنے والے اہل عرف عام ہیں۔منقول اصطلاحی وہ ہے جس میں معنی اول سے ثانی کی طرف نقل کرنے اہل اصطلاح ہوں جیسے اسم۔اس کا معنی اول بلندی ہے اور معنی ثانی ہے وہ کلمہ جو معنی مستقل پر دلالت کرے اور اس کا معنی تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقترن نہ ہو۔معنی اول سے معنی ثانی کی طرف نقل کرنے والے اہل اصطلاح یعنی نحوی ہیں۔

متن: **الـمفهومُ ان امتَنَعَ فرضُ صدقِه على كثيرينَ فجزئيٌ والا فكليٌ اِمتَنعَتْ افرادُه اوامكَنَتْ ولَم تُوجَدْ اووُجدَ الواحدُفقط مع امكانِ الغيرِ اوامتناعِه اوالكثيرُ مع التناهي اوعدمِه**

مفہوم، اگر ممتنع ہو اس کے کثیرین پر صادق آنے کو فرض کرنا تو وہ جزئی ہے ورنہ پس کلی ہے، ممتنع ہوں گے جس کے افراد یا ممکن ہونگے اور نہیں پائے جائیں گے یا ایک فرد پایا جائیگا فقط غیر کے امکان کے ساتھ یا اس کے ممتنع ہونے کے ساتھ یا کثیر پائے جائیں گے تناہی کے ساتھ یا عدم تناہی کے ساتھ

یہاں سے مصنف مفہوم کی تقسیم کرتے ہیں، مفہوم کی دو قسمیں ہیں جزئی اور کلی، وجہ حصر یہ ہے کہ مفہوم دو حال سے خالی نہیں یا تو کثیرین پر اس کے صدق کو فرض کرنا ممکن ہوگا یا ممتنع ہوگا، اگر ممتنع ہو تو وہ جزئی ہے اور اگر ممکن ہو تو وہ کلی ہے، پھر کلی کی چھ قسمیں ہیں وہ اس طرح کہ یا تو اس کلی افراد ممتنع ہونگے یا ممکن ہونگے اگر ممتنع ہو تو یہ ایک قسم ہے اگر ممکن ہوں تو اس کے افراد پائے جائیں گے یا نہیں، اگر نہ پائے جائیں تو یہ ایک اور قسم ہے اگر پائے جائیں تو صرف ایک فرد پایا جائیگا یا کثیر افراد پائے جائیں گے اگر ایک فرد پایا جائے تو اس کے غیر کا پایا جانا ممکن ہوگا یا ممتنع، اگر ممکن ہو تو یہ ایک اور قسم ہے اگر ممتنع ہو تو یہ ایک اور قسم ہے اگر اس کے افراد کثیر پائے جائیں تو وہ کثیر افراد متناہی ہونگے یا غیر متناہی، اگر متناہی ہوں تو یہ ایک اور قسم ہے اگر غیر متناہی ہو تو یہ ایک اور قسم ہے۔ پس یہ کل چھ اقسام ہوئیں۔ (۱) کلی کے افراد ممتنع ہوں جیسے شریک باری تعالی، (۲) کلی افراد ممکن ہوں لیکن نہ پائے جائیں جیسے عنقاء پرندہ (۳) کلی کے افراد ممکن ہوں اور صرف ایک فرد پا جائے اور اس فرد کا غیر ممکن ہو جیسے شمس (۴) کلی کے افراد ممکن ہوں اور صرف ایک فرد پایا جائے اور غیر ممتنع ہو جیسے مفہوم واجب الوجود۔ (۵) کلی کے افراد کثیر پائے جائیں اور وہ متناہی ہوں جیسے کواکب سیارہ (۶) کلی کے افراد کثیرہ پائے جائیں اور وہ غیر متناہی ہوں جیسے معلومات باری تعالی اور نفوس ناطقہ حکماء کے مذہب کے مطابق۔

قولہ المفهومُ ای ماحَصَلَ فی العقلِ واعْلَمْ انَّ ما یُستَفادُ مِنَ اللفظِ باعتبارِ انه فُهِمَ منه یُسمّٰی مفهوماً وباعتبارِ انَّه قُصِد منه یسمّٰی معنیً ومقصودًا وباعتبارِ انَّ اللفظَ دالٌ علیه یسمّٰی مدلولاً

ترجمہ : مصنف کا قول المفہوم، یعنی وہ چیز جو حاصل ہو عقل میں، اور جان تو کہ وہ چیز جو لفظ سے حاصل ہوتی ہے، اس اعتبار سے کہ وہ اس سے سمجھی جائے، اس کا نام رکھا جاتا ہے مفہوم، اور اس اعتبار سے کہ اس کا ارادہ کیا جائے اس لفظ سے اس کا نام رکھا جاتا ہے معنی اور مقصود اور اس اعتبار سے کہ لفظ اس پر دلالت کرنے والا ہے اس کا نام رکھا جاتا ہے مدلول۔

﴿تشریح﴾ قولہ المفہوم الخ : یہاں سے مفہوم کی تعریف کرتے ہیں کہ مفہوم اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل میں حاصل ہو خواہ لفظ کے ذریعہ جیسے مخاطب کو یا غیر لفظ کے ذریعے جیسے متکلم کو، اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم جب کوئی بات کرتا ہے تو مخاطب کو اس کی سمجھ لفظ کے ذریعہ آتی ہے اور متکلم کو وہ بات تلفظ کرنے سے پہلے سمجھ میں آ چکی ہوتی ہے۔

واعلم الخ :۔ یہاں سے ایک فائدہ بیان کرتے ہیں کہ مفہوم، مقصود اور مدلول میں اتحاد ذاتی اور فرق اعتباری ہے وہ اس طرح کہ جو چیز لفظ سے مستفاد ہوتی ہے، وہ اس اعتبار سے کہ سمجھی جائے اس کو مفہوم کہتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ لفظ سے اس کا قصد کیا جائے اس کو مقصود کہتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ لفظ اس پر دلالت کرے اس کو مدلول کہتے ہیں۔

قولُہ فرضُ صدقِه الفرضُ ههنا بمعنٰی تجویزِ العقلِ لاالتقدیرِ فانه لایَستحِیلُ تقدیرُ صدقِ الجزئی علی